لہٗ دعوۃ الحق
قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

جلد : ۳	شمارہ : ۸

صفر المظفر ۱۳۸۸ھ   مئی ۱۹۶۸ء

مدیر

سمیع الحق

والقلم وما یسطرون — قسم ہے قلم کی اور ان کے لکھنے کی۔

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان
سالانہ چھ روپے	سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے
فی پرچہ ۵۶ پیسے	فی پرچہ ۶۲ پیسے

غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقش آغاز

امریکہ کے سیاہ فام نیگرو رہنما ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کو کتنی بے دردی سے قتل کیا گیا، اس لئے کہ اُسے خدا نے سیاہ فام پیدا کیا تھا۔ وہ اپنے اور اپنے ہم رنگ و ہم نسل انسانوں کے حقوق کا تحفظ چاہتا تھا، ان سیاہ فام انسانوں کے حقوق جنہیں یورپ کے "سفید بندروں" نے حیوانات سے بھی بدتر اور حقیر سمجھ رکھا ہے، جن پر ملک کی معاشی راہیں مسدود ہیں، جن کے لئے نصاب تعلیم، تعلیم گاہیں، ہوٹل، بسیں اور گاڑیاں تک علیحدہ ہیں، یہاں تک کہ کارخانوں میں ان کے آنے جانے کے راستے تک الگ ہیں اور جن کے ساتھ رشتہ ناطہ بہت بڑا "پاپ" سمجھا جاتا ہے۔ یہ سیاہ فام انسان بدترین طبقاتی تفاوت، استحصال، ظلم و جبر اور حقوق کی حق تلفی کا شکار ہیں۔ اس امریکہ اور یورپ میں جو "تہذیب و تمدن" کی امامت کا مدعی ہے، اُس امریکہ میں جو اقوام متحدہ کا چودھری ہے جو انسانی حقوق کی حفاظت کا دعویدار ہے، اُس امریکہ میں جو ہمیشہ انسانی حقوق کے چارٹر کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے ظلم، سفاکی، اور ذلت کے داغ چھپانا چاہتا ہے، اپنے ملک کے باشندوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک اُس دعویدار تہذیب ملک میں ہو رہا ہے، جہاں کے سب سے بڑے شہر نیویارک کی بندرگاہ میں "آزادی کا مجسمہ" دنیا سے آنے والوں کا استقبال ان الفاظ سے کرتا ہے:

> "اپنے بے کس مصیبت زدہ اور غلام عوام کو ہمارے سپرد کیجیے تاکہ وہ آزادی کی زندگی بسر کر سکیں وہ لوگ جن کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی وطن۔ لیجئے میں حاضر ہوں اور سنہری دروازہ کے قریب اپنی مشعل لئے کھڑا ہوں۔"

مگر اُف قول و عمل کے تضاد کی ایسی بھیانک مثال کیا تاریخ کے کسی دوسرے حصہ میں بھی مل سکتی ہے۔؟ ہرگز نہیں تاریخ میں پہلی بار دھوکہ، فریب، دجل و تلبیس اور عالمی پیمانے کی یہ "بدمعاشی" صرف یورپ اور مغربی تہذیب ہی کو نصیب ہو سکی ہے۔ جس کے نسلی، علاقائی اور قومی امتیازات سے خود امریکہ اور برطانیہ جل رہا ہے۔ روڈیشیا مظلوم انسانوں کے خون سے لالہ زار ہے، کینیا نالاں ہے، اور جنوبی افریقہ پوری انسانیت پر ماتم کناں ہے، جہاں انسانی خون کی وقعت بول و براز کے

برابر بھی نہیں رہی۔ اُف کتنی شوخ چشم اور حیاء سے تہی ہے یہ تہذیب اور کتنے جری ہیں اس کے علمبردار جنہیں اب بھی اپنے آپ پر ناز ہے، کتنی کورچشمی اور دیدہ دلیری ہے ان گستاخ نگاہوں کی جو اپنی اس ساری شقاوت، درندگی اور ذلت و رسوائی کو تہذیب و تمدن، اخلاق اور انسانی حقوق کی رعایت کا نام دیکر بار بار اٹھتی ہیں، تو اُس مذہب پر جو حقیقی مساوات کا علمبردار، انسانی حقوق کا نقیب اور پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر آیا ہے، اور جو ابتداء سے لیکر آج تک احترام انسانیت کا عملی نمونہ پیش کر رہا ہے۔ جس کے بھیجنے والے کا اعلان ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔ جس کے پیغمبرؐ کا دوامی پیغام تھا: الناس من آدم وآدم من تراب (ابن سعد)۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ آگے ارشاد فرمایا: لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الا بالعلم والتقوٰی۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی سیاہ فام کو سرخ رنگ والے پر اور سرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر فضیلت ہے۔ مگر علم اور تقوٰی کے لحاظ سے ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ولا لابیض علی اسود۔ نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے ـــــ یہ اس مذہب کی بات ہے، جس نے ایک سیاہ فام حبشی غلام بلالؓ کو انسانیت کی معراج سے نوازا، جنہیں حضورؐ اقدس نے جنت میں اپنے سے آگے آگے چلنے کی بشارت دی اور جب ایک صحابیؓ نے انہیں "اے حبشن کے بیٹے" کہہ کر پکارا۔ تو حضورؐ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا تم میں اب بھی جاہلیت کی بو باس باقی ہے۔ یہ اُس سیاہ فام بلالؓ کی بات ہے جسے اسلامی قلمرو کے سب سے بڑے فرمانروا فاروق اعظمؓ۔ یا سیدنا! "اے ہمارے سردار" سے پکارا کرتے تھے اور یہ وہ فاروق اعظمؓ ہیں جن کا جنازہ اپنے علم و فضل کی بدولت ایک عجمی نژاد صہیب رومیؓ نے پڑھایا جب کہ سرخ و سفید رنگ والے کئی جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ یہ اُس دین قیم کی امتیازی شان ہے، جس نے والئ مصر کے ساتھ ملنے والے وفد کی قیادت ایک ایسے سیاہ فام صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت کو سونپ دی تھی جسے دیکھ کر بادشاہ لرز گیا اور اصرار کرنے لگا کہ دوسرے شخص کو میرے ساتھ گفتگو کے لئے مقرر کر دو، مگر مسلمانوں نے والئ مصر کی یہ خواہش ٹھکراتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ شخص علم و فضل اور تقوٰی میں ہم سب سے بڑھ کر ہے، اس لئے یہی ہمارا امیر ہے۔ نیز فرمایا کہ ہماری فوج میں تو ایک ہزار سے زیادہ ایسے سیاہ فام شخص ہیں ـــــ یہ اُس مذہب کی بات ہے جس نے ہر دور میں عجمی موالی اور سیاہ فام غلاموں کو دین اور علوم دین میں اجتہاد

اور امامت کا منصب عطا فرمایا یہ اُس دین حنیف کی خصوصیت ہے جس نے ایک بھینگے، لنگڑے، اپاہج اور چپٹی ناک والے سیاہ فام شخص حضرت عطاؒ بن ابی رباح کے سامنے اجلۂ علم وفضل کو سرنگوں کرا دیا جن کی وفات کو اہل مدینہ نے "عافیت سے محرومی" سمجھا (ما وجدنا ہ الا کالعافیة) جن کے بارہ میں اسلامی سلطنت کے فرمانروا عبدالملک بن مروان موسم حج میں منادی کراتے تھے کہ عطاء کے علاوہ کوئی اور فتویٰ نہ دے، وہ عطاء جو اہل حرمین کا امام اور فقیہ تھا، اور جنہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے پیشوا ابوحنیفہؒ نے اپنے تمام اساتذہ اور شیوخ سے افضل قرار دیا۔ یہ اُس روشن محمدی تہذیب اور حنیفی ملت کی داستان ہے، جس کے ایک خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک سیاہ فام لونڈی کی شکایت پر والئ مصر ایوب بن شرجیل کو مامور کیا کہ میرا خط ملتے ہی تم خود سواری کسو، خود روانہ ہو جاؤ اور اپنے سامنے اُس کے گھر کی دیوار بلند کرا دو۔ گورنر نے جا کر بڑی تلاش کے بعد گمنام لونڈی کا مکان معلوم کیا اور خود اپنی نگرانی میں امیرالمومنین کی خواہش پوری کی —— تُف ہے اس عقل وخرد پر جو اس روشن اور تابندہ تہذیب کی عصر حاضر کی خونی اور ذلیل تہذیب سے کچھ بھی نسبت قائم کرے۔

—★—

ایک خبر ہے کہ مغربی پاکستان کے صرف ایک شہر لاہور میں ایک ماہ کے اندر پولیس کے علم میں بارہ ہزار جرائم آئے "پولیس کی نگاہِ احتساب سے بچنے والے جرائم تو یقیناً لاکھوں سے کم نہ ہوں گے۔ یہ ایک سیاہ تصویر ہے اُس معاشرے کی جو بہت تیزی سے تصوّرِ آخرت سے آزاد اور خشیۃ خداوندی اور ایمان کی دولت سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں نہ تو ایمانی اوصاف کو ابھارنے، بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کا خاطر خواہ انتظام ہو اور نہ معاشرہ کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کیلئے اسلامی حدود وتعزیرات کا قیام واہتمام، قانون شکنی، جرائم، طغیانی اور اباحیت کا دور دورہ کیسے نہ ہو۔؟ مخلوط کلبوں، عریانی، ثقافتی تقریبات، سینماؤں، تھیٹروں، اور چلتے پھرتے قحبہ خانوں جیسی صحافت کی بنیادوں پر صالح معاشرہ کب استوار ہو سکتا ہے۔؟

ان ظلمتوں میں اونچے ایوانوں سے روشنی کی چمک اگر نمودار ہوتی ہے، تو ہمارے قابل احترام سابق چیف جسٹس کارنیلیس کے بیانات کی شکل میں جو عیسائی ہو کر کبھی حدود اور تعزیرات اسلام کو معاشرہ کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی اسلامی اقدار کے فروغ کو اس ملک کی تمام مشکلات کا حل، ایسی بصیرت اور اسلام کی سچائیوں کا راسخ یقین اگر نصیب ہوا تو ایک "کافر" کو جس کے اندر سے اسلام کی روح بول رہی ہے، اپنوں میں سے کتنے ہیں جن کا ظاہر تو مسلمان ہے

مگر اسلام کے احکام و حدود کے بارہ میں ان کا باطن ایمان کی روشنی سے محروم ہے۔ ع
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

★
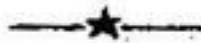
۲۹ر اپریل کی صبح معاصر چٹان کی مشعل کا پڑھ کر دل کو ایک دھچکا سا لگا، چٹان جس حادثے کا شکار ہوا اس کا عنوان تھا "الحمد للہ" اور اس وقت ہمارا رد عمل اگر ہو سکتا ہے تو صرف یہی۔ کہ انا للہ۔ انا للہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ والیہ المشتکیٰ

★

سعودی عرب کے ایک مشہور روزنامہ اخبار البلاد کے ۲۰ر ذی الحجہ کا شمارہ ہمارے سامنے ہے پہلے صفحہ پر صدر ترکیہ جناب جودت سونائی کا ایک ایمان افروز پیغام ہے جو انہوں نے عید الاضحیٰ اور حج کی مناسبت سے اپنے عوام کو دیا ہے۔ مصطفیٰ کمال کی مسند پر بیٹھے ہوئے رئیس ترکیہ کے پیغام کے لفظ لفظ سے ایمان و یقین جھلک رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا حالات کا تقاضا ہے کہ ہم تمام غیر اسلامی نظریات اور باطل تحریکات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں، صرف دین اسلام دین وحدت ہے۔ امت اسلامیہ کا دستور صرف قرآن کریم ہے۔ حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم سب قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں انہوں نے ملت ترکیہ کے بارہ میں کہا کہ ترکی قوم خدا کے فضل سے اسلام کی سچی دعوت کی پوری طرح حفاظت کرنے کی اہل ہے، ایک دوسری خبر سے معلوم ہوا کہ اس دفعہ حج کے موقع پر حاجیوں کی سب سے زیادہ تعداد ترکی قوم کی تھی جو تقریباً ۴۵ ہزار کی تعداد میں یقین و ایمان کی دولت اور ولولۂ ایمانی سے سرشار ہو کر اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے آئے۔ ایمان و یقین کی روح پرور خبریں اُس ترکی کے بارہ میں ہیں، جہاں کے زعیم انقلاب "مصطفیٰ کمال نے اسلام اور اس کے مظاہرات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مٹایا، نشأۃ ثانیہ، انقلاب، ترکی اور یورپی اقوام کی ہمسری کے شوق میں عربی زبان بولنے پر لوگوں کی زبانیں کھینچی گئیں، مساجد کو عجائب خانوں اور خانقاہوں کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا۔ اذان، نماز، تلاوت قرآن ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ فولادی عزم والے ترکوں کو نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھالنے کی خاطر ہیٹ اور پتلون پہنانے کے جذبہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا گیا مگر اسلام کی جو چنگاری ترکوں کی فطرت اور خمیر میں چھپی تھی نہ بجھنی تھی نہ بجھ سکی۔ نور خدا پھونکوں سے نہ بجھایا جا سکا۔ دین حنیف کے چراغ اندر ہی اندر جلتے اور کفر کی حرکات کا مذاق اڑاتے رہے اور آج پھر یہ قوت اتنی ہی تیزی سے ابھر رہی ہے جس سختی سے اسے دبایا گیا تھا، باطل کی ظلمتیں بالآخر چھٹ جاتی ہیں۔

ایمان کے شعلے کفر و الحاد کو خس و خاشاک کی طرح بھک سے اڑا دیتے ہیں۔ اور باطل کی تمام کوششیں اور منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں، یہ اُس دین کی خاصیت ہے، جو سچائی اور صداقت کا آخری پیغام اور فطرت انسانی کا کامل اور مکمل جواب ہے۔ ترکیہ کی تاریخ میں دنیا بھر کے اہل زیغ و الحاد کو عبرت و نصیحت اور اہل دعوت و ارشاد کے لئے حوصلہ مندی، جوش اور ولولہ کا کافی سامان ہے۔

—★—

سندھ کے شہرۂ آفاق عالم و فاضل علامہ آئی آئی قاضی نے کشاکش حیات سے مغلوب و مایوس ہو کر خودکشی کر لی، قاضی صاحب کئی زبانوں کے ماہر علوم جدیدہ، عقلیات اور فلسفہ کے ممتاز سکالر اور مصنف تھے۔ یورپ کی بلند پایہ شخصیتوں سے بھی شوق فلسفہ کی تسکین کی، مگر خاتمہ ایک ایسے لرزہ اندام جرم خودکشی پر، جس کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ " خودکشی کرنے والے کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور جس اذیّت ناک شکل میں اس نے خودکشی کی جہنم میں وہ ہمیشہ اسی حالت میں مبتلا رہے گا (بخاری عن ابی ہریرۃؓ) ___ قاضی صاحب کے اس بھیانک انجام میں ہمارے لئے نصیحت ہے کہ زندگی کی گتھیاں عقل و فلسفہ سے نہیں سلجھ سکیں، علم جو نورِ نبوتؐ سے مستفاد اور ربّانی ہدایت اذعان اور یقین سے مالامال نہ ہو۔ وہ نہ تو ہمیں دل کی روشنی دے سکتا ہے، اور نہ اطمینان و عافیت کی دولت، ایسے علم و فضل اور عقل و فلسفہ سے اس گنوار بوڑھی عورت کی جہل و سادگی ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو سخت سے سخت حالات میں بھی تسلیم و تفویض، توکّل اور اعتماد علی اللہ کی دولت سے سرشار ہے جسکی بدولت نہ تو زندگی کی تلخیاں اس پر اثر انداز ہوتی ہیں، اور نہ زندگی کا کوئی نازک سے نازک مرحلہ اسے سپر انداز کر سکتا ہے۔ ایمان کی روشنی سے محروم ایسا ہی علم و فلسفہ تھا جس پر حضرت عمرؓ نے دینِ اعراب کو ترجیح دی اور فرمایا: کونوا علی دین الاعراب۔ (دیہاتیوں کے دین پر جم جاؤ) عقل و فلسفہ کے امام فخرالدین رازیؒ کو چین و اطمینان کی نعمت اسی سادہ مگر مؤثر ایمان سے نصیب ہوئی جو نہ تو کسی تاویل و استدلال کا مرہون تھا۔ نہ عقل و جدل کا محتاج۔ مرتے وقت فرمایا: اموت علی عقیدۃ عجائز نیشابور (میں نیشاپور کی بڑھیوں کے عقیدہ پر مر رہا ہوں) آج اس گئے گزرے دور میں اگر دیگر اقوام کی بہ نسبت مسلم قوم میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد صفر کے برابر ہے، تو یہ اس ایمان اور خدائی روشنی کا کرشمہ ہے جس سے محروم ہو کر انسان اپنے ہاتھوں دنیا و آخرت دونوں برباد کر دیتا ہے ___ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب۔ دہلی

ہمارے اسلاف کی ایک زندۂ جاوید یادگار

دارالعلوم دیوبند

- قیامِ دارالعلوم میں اکابر کے مطمحِ نظر تین مقاصد اور ان کے اثرات
- ہمارے بزرگوں کی جامعیت
- پچاس سال پہلے دارالعلوم کا ماحول
- آج کے اربابِ مدارس کے لئے لمحۂ فکریہ۔

ہندوستان میں انگریزوں کی باقاعدہ حکومت ۱۸۵۸ء میں قائم ہوئی، لیکن مظالم اہل یورپ کی داستانیں تقریباً ایک صدی پہلے سے ہندوستان میں پھیل چکی تھیں، یہاں تک کہ کافر فرنگ کو بدترین کافر سمجھا جاتا تھا۔۔۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانیؒ متوفی ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں : " معرفت خدائے عزوجل برآں کس حرام ست کہ خود را از کافر فرنگ بہتر داند۔ تلخیص از اکابر دین مکتوب ۲۶۰ "

حضرت مجدّد صاحب اس مکتوب میں عارف کی شان بیان فرما رہے ہیں، کہ عارف باللہ کو خود اپنے متعلق حسنِ ظن میں نہیں رکھنا چاہیئے کہ یہ بھی ایک طرح کا تکبّر اور غرور ہے۔ عارف باللہ کو اپنے متعلق سوءِ ظن رکھنا چاہیئے، اور نفس امارہ کی شرارت سے ہمیشہ چوکنّا رہنا چاہیئے۔ انتہا یہ ہے کہ عارف باللہ اگر اپنے متعلق اتنا حسنِ ظن بھی رکھتا ہے کہ کافر فرنگ سے جو دنیا کا بدترین کافر ہے اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے، تو وہ عارف باللہ قطعاً نہیں ہے۔ بلکہ معرفت اس پر حرام ہے۔ مکتوب گرامی کے منشا کے دامن میں جو چیز پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں کافر فرنگ کو بدترین کافر سمجھا جاتا تھا۔ بہرحال مظالم فرنگ کے قصے فرضی نہیں تھے۔ بلکہ حقائق تھے۔ جنہوں نے ذہنوں میں یہ بات

پختہ کر دی تھی۔

مظالم فرنگ کی ایک مثال قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ واسکوڈے گاما کو جو ہندوستان کا راستہ معلوم کرنے کے لئے پرتگال سے روانہ ہوا تھا، ایک عرب ملاح نے ہندوستان پہنچایا۔ واسکوڈے گاما کا جہاز کالی کٹ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ اس علاقہ کے باشندے عرب تاجروں کی آمد بھی دیکھ چکے تھے۔ جو اپنے ساتھ دیانت داری، سخاوت اور رحم کے وہ جوہر لائے تھے جنہوں نے نہ صرف تاجروں اور دوکان داروں کو بلکہ حکمران راجاؤں کو بھی متاثر کیا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب تاجروں کو نہ صرف آزادانہ عبادت کرنے کی اجازت تھی بلکہ وہ کھلے بندوں اسلام کی تبلیغ بھی کرتے۔ پھر جو ہندو اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے۔ ان سے نفرت نہیں بلکہ ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔۔۔۔

مگر واسکوڈے گاما ہندوستان پہنچا تو اس کے پیچھے پیچھے بحری قزاقوں کی فوج سمندر میں پھیل گئی جو حاجیوں کے جہازوں کو بھی لوٹتی اور زائرین کے خونِ ناحق سے سمندر کو رنگین کیا کرتی تھی۔ ۔کالی کٹ جس نے اپنی روائتی مہمان نوازی کی بنا پر واسکوڈے گاما کا فراخ دلی کے ساتھ استقبال کیا تھا۔ چند سال بعد اس نے اپنے سینے پر ایک پرتگیزی قلعہ ابھرا ہوا دیکھا۔ پھر ایک خونی ڈرامہ اس کو نظر آیا کہ وہی راجہ "زیمورن" جس نے پرتگیزی مہمان کا استقبال کیا تھا اس کے شاہی محلات نذرِ آتش ہو رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ مغربی مہمان، مشرقی میزبان کا شکریہ ادا کر رہے ہیں

پرتگیز زیادہ عرصہ تک کامیاب نہیں رہے کیونکہ ان کے پیچھے پیچھے دولت ہند کی طلب میں فرانسیسی پہنچے، پھر انگریزوں کی آمد شروع ہو گئی جو سب سے زیادہ کامیاب رہے، یہاں تک کہ گوا اور دمن کے تھوڑے سے علاقے کے سوا (جس پر پرتگیز قابض رہے) باقی پورے ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت قائم ہو گئی۔۔۔۔ یورپ کی یہ قومیں اگرچہ مختلف تھیں اور آپس میں ایک دوسرے کی رقیب اور حریف بھی تھیں۔ مگر ہندوستانیوں کے حق میں وہ یکسانیت کے ساتھ نہایت سنگدل اور سفاک ثابت ہوئیں۔ ان کے لرزہ خیز مظالم کی داستان بہت طویل بھی ہے اور موضوع سے خارج بھی۔۔۔۔ ہندوستانی اگر حکمرانی کی صلاحیت ختم نہ کر چکے ہوتے تو ہندوستان میں ان وحشی قزاقوں کے لئے حکومت کا کوئی امکان نہ تھا۔

حضرات علماء جن میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیز المتوفی ۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۲ء کا اسم گرامی برسرِ لوح ہے، مسلسل کوشش کرتے رہے کہ حکومت کے ذمہ دار اپنی اصلاح کر لیں اور ہندوستان

کو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑے کہ وہ کسی غیر قوم کے غلام بنیں۔ لیکن یہ حکمران اسی راستہ پر تیزی سے قدم بڑھاتے رہتے جسکی آخری گھاٹی مکمل تباہی اور بربادی ہوتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا (بنی اسرائیل)

علماء کی جماعت نے اول مسلمانوں کی حکومت یعنی سلطنت مغلیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جب یہ یقین ہوگیا کہ اس دیوار کی ایک ایک اینٹ گل چکی ہے اور شوریت نے اس کے ایک ایک ریزہ کو شوریدہ مزاج بنا دیا ہے تو انہوں نے آنے والے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی۔

علماء کی جماعت نے اول مسلمانوں کی حکومت یعنی سلطنت مغلیہ کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کی اور جب یہ یقین ہوگیا کہ اس دیوار کی ایک ایک اینٹ گل چکی ہے اور شوریت نے اس کے ایک ایک ریزہ کو شوریدہ مزاج بنا دیا ہے تو انہوں نے آنے والے سیلاب کو روکنے کی کوشش کی۔

اس جماعت میں سرفہرست حضرت سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کے اسماء گرامی ہیں جنہوں نے ایک جماعت تیار کی تاکہ وہ اس سیلاب کے لئے بند کا کام کرسکے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب شہید ۱۸۳۰ء حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے پوتے تھے۔ اور حضرت سید احمد صاحب شہید ۱۸۳۰ء حضرت شاہ صاحب موصوف کے صاحب زادہ اور جانشین یعنی حضرت شاہ عبدالعزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ جن کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے قیادت جہاد کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ ـــــ ان بزرگوں نے جس ایثار اور للٰہیت کے ساتھ فریضہ جہاد انجام دیا وہ عبرت آموز ہے۔ مگر قوم کے ادبار و اقبال کا فیصلہ معمولی اقلیت کی بناء پر نہیں بلکہ قوم کی اکثریت اور اس کے عمومی مزاج کی بناء پر ہوا کرتا ہے جو اس وقت حکمرانوں کے اختلافات اور خانہ جنگیوں کے باعث اتنا بگڑ چکا تھا کہ اس کو سود و زیاں کا بھی احساس نہیں رہا تھا ـــــ

اپنے

سید احمد صاحب شہید اور مولانا اسمٰعیل صاحب شہید اور ان کے مربی حضرت شاہ عبدالعزیز ان بزرگوں کے علمی اور روحانی مربی ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔ مولانا محمد قاسم صاحب اور ان کے مشیر خاص و رفیق مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا سلسلہ سند حدیث یہ ہے ـــــ مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب رحمہما اللہ عن مولانا عبدالغنی المحدث دہلوی عن مولانا الشاہ ولی اللہ المحدث دہلوی ـــ

یہ بزرگ جس طرح آزادی ملک و ملت کے باب میں اولوالعزم مجاہدین اور صداقت پسند قائدین تھے وہ

یہ بزرگ جس طرح آزادی ملک و ملت کے باب میں اولوالعزم مجاہدین اور صداقت پسند قائدین تھے وہ علوم [illegible] ترویج میں بھی اپنے زمانہ کے امام تھے جن کو نقلی علوم اور روایات کے سلسلے میں [illegible] اور [illegible] اور اس فکر کے ساتھ درایت کی بھی بڑی ذرہ برابر قوت عطا ہوئی تھی [illegible] ذخیرہ کو اصول پر منطبق کرتے اور وہ ان کی حکمت بھی [illegible] بیان کرسکتے تھے۔

علوم شرعیہ میں بھی اپنے زمانہ کے امام تھے، جن کو نقلی علوم اور روایات کے سلسلے میں پختگی اور تیقظ حاصل تھا اور اس ملکہ کے ساتھ درایت کی بھی پوری پوری قوت عطا ہوئی تھی کہ مسائل فرعیہ کو اصول پر منطبق کرتے ہوئے وہ ان کی حکمت بھی علی وجہ البصیرت بیان کر سکتے تھے۔ جس کا نمونہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ العزیز کی تصانیف (حجۃ اللہ البالغہ البدور البازغہ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ) اور حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف (تقریر دلپذیر، تحذیر الناس، آب حیات، قبلہ نما، اور حجۃ الاسلام وغیرہ) ہیں۔

فہم قرآن کی بہترین صلاحیت اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور احادیث میں کامل مہارت، تفقہ اور احکام شریعت کی حکمت یعنی شرعیات کے فلسفی رموز و حکم میں اعلیٰ ترین قابلیت کے ساتھ ان بزرگوں کو اللہ تعالےٰ نے اعمال صالحہ کی بھی وہ توفیق عطا فرمائی تھی جس کو مافوق العادت کہا جا سکتا ہے۔ ان اعمال کا مطمح نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ مبارکہ ہوتا تھا۔ اور یہ حضرات لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ کے منشاء اور مقصد کی عملی تصویر تھے۔

تین مقاصد | ان بزرگوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا تو اس کے مطمح نظر مقصد بھی تین تھے۔

۱۔ فہم قرآن اور فہم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تطبیق الفقہ بالحدیث والقرآن کی صلاحیت پیدا کرنا۔

۲۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا شوق پیدا کرنا اور اسی کے راستہ سے تزکیہ نفس کی کوشش اور سعی مسلسل کا شوق دلانا۔

۳۔ اپنی جد و جہد اور عملی کردار سے ثابت کرنا کہ الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ (اسلام بلند ہو کر رہتا ہے، دب کر نہیں رہتا۔)

(اکابر دارالعلوم دیوبند کی سینکڑوں تصانیف جو زیادہ تر اردو میں ہیں۔ ۱، ۲ کی شاہد ہیں)

ان تینوں مقاصد اور نقطہائے نظر کا مجموعی اثر یہ تھا کہ :۔

۱۔ بدعات سے ان کو نفرت تھی۔

۲۔ اور جسطرح بدعات سے نفرت تھی اسی طرح یورپین اقوام خصوصاً انگریزوں سے جو اس زمانہ میں یورپ کی سب سے زیادہ کامیاب اور با اقتدار قوم تھی اس سے بھی نفرت تھی۔

۳۔ ملوک اور ملوکیت سے اجتناب (حسب ارشاد من لزم السلطان افتتن۔ ابوداؤد شریف) (جو بادشاہ کا حلقہ بگوش ہو گیا وہ فتنہ میں پڑ گیا۔) ان بزرگوں کا عام مسلک تھا، چنانچہ نہ صرف یہ کہ

ان بزرگوں نے مسلمان بادشاہوں کے تقرب کی بھی کوشش نہیں کی بلکہ جو شاہی منصب پیش کئے گئے ان سے بھی گریز کیا۔

اب جب کہ انگریزوں کی حکومت ہوگئی، تو یہ نفرت اور بڑھ گئی، یہاں تک کہ سرکاری ملازمت کو حرام سمجھا جانے لگا ـــــ اس قطع تعلق اور انگریزوں سے نفرت کا اثر یہ تھا کہ انگریز کی ہر چیز سے حتیٰ کہ انگریزی زبان سے بھی ان کو نفرت رہی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس جماعت سے جو مسلمان متعلق تھے ان کا ذہن اور دماغ کبھی بھی مغربیت اور مغربیت کے فلسفہ سے مرعوب نہیں ہوا ـــ یہاں تک کہ بعض بزرگوں کا یہ قول ہم تک پہنچا ہے کہ انگریز اور انگریزیت بعنوان دیگر مغرب اور مغربیت سے نفرت جزو ایمان ہے ـــ

انگریز سے نفرت

اس میں شک نہیں کہ علماء دیوبند کی ایک جماعت ایسی بھی رہی ہے جس نے آزادیٔ ہند کی تحریکات میں شرکت کو اچھا نہیں سمجھا۔ یہ حضرات انڈین نیشنل کانگریس کے بھی مخالف رہے ہیں لیکن انگریز اور انگریزیت سے نفرت ان کو بھی ایسی ہی تھی جیسے ان علماء کو تھی جو حریت کے علمبردار اور کانگریس کے حامی تھے۔

یہاں کے علماء کی پہلی کوشش ... کا اثر یہ تھا کہ یہ رہی کہ اسلامی حکومتوں کے تعاون سے ہندوستان میں انقلاب برپا کریں۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب جو حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا رشید احمد

اس جماعت سے جو مسلمان متعلق تھے ان کا ذہن اور دماغ کبھی بھی مغربیت اور مغربیت کے فلسفہ سے مرعوب نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ بعض بزرگوں کا یہ قول ہم تک پہنچا ہے کہ انگریز اور انگریزیت بعنوان دیگر مغرب اور مغربیت سے نفرت جزو ایمان ہے ـــ *

صاحب گنگوہی رحمہما اللہ کے ارشد ترین تلمیذ اور روحانی لحاظ سے ان کے خلیفہ اور دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے طالب علم تھے جن سے اس مدرسہ کی ابتدائی تعلیم کی بنیاد پڑی وہ اس جدوجہد کے امام اور قائد تھے کہ اسلامی حکومتوں مثلاً حکومت آل عثمان (ترکی حکومت) اور افغانستان کے غیور پٹھانوں کے تعاون سے ہندوستان میں انقلاب برپا کریں۔

۱۹۱۷ء میں جب ترکی حکومت تقریباً ختم ہوگئی اور انقلاب کا یہ راستہ بند ہوگیا تو پھر ان حضرات کا نصب العین یہ رہا کہ ہندوستان کے دوسرے فرقوں بالخصوص ہندو اکثریت کے تعاون سے انقلاب برپا کریں اور اس مقصد کے لئے ان حضرات نے یہ بھی جائز سمجھا کہ سیاست کی حد تک تحریک آزادی کا لیڈر کسی غیر مسلم کو بنالیں ـــ تقریباً پچاس سال پہلے احقر نے دارالعلوم کے جس ماحول میں ہوش سنبھالا۔

اس کی کیفیت یہ تھی :-

۱۔ دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب (جو اس وقت کے تمام اساتذہ کے استاد تھے) اور ان کے رفقاء ہندوستان سے رخصت ہو کر حجاز پہنچ چکے تھے، ان کے جانے کے بعد انقلاب عظیم برپا ہوا کہ ترکی حکومت حجاز سے ختم ہوئی۔ شریف کی حکومت حجاز میں قائم ہوئی (جو انگریزوں کا آوردہ تسلیم کیا جاتا تھا) جسکو استقلال عرب کا سبز باغ دکھاکر ترکوں سے باغی بنایا گیا تھا۔ حکومت ہند جو برطانیہ کے زیر اقتدار تھی، وہ تحریک آزادی کی بناء پر (جو ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے مشہور ہوئی) مولانا محمود الحسنؒ صاحب کو گرفتار کرنا چاہتی تھی۔ جب تک ترکوں کی حکومت رہی وہ گرفتار نہیں کرسکی۔ مگر سقوط ترکی کے بعد شریف مکہ کی حکومت قائم ہوئی تو اس نے مولانا موصوف کو انگریزوں کے حوالے کردیا۔ مولانا پر مصر کی ایک عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، پھر ان کو جنگی قیدی کی حیثیت سے مالٹا میں نظر بند کردیا گیا۔ ان کے ارشد ترین تلمیذ مولانا سید حسین احمد صاحبؒ اور ان کے برادر زادے مولانا وحید احمد مرحوم، ان کے علاوہ مولانا حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم اور مولانا عزیر گل صاحب مدظلہ ان کے رفقاء تھے —— شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمہ اللہ کی گرفتاری کا اثر دارالعلوم نے کسی تحریک کی صورت میں نہیں لیا کہ ایجی ٹیشن ہوتا یا سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوجاتی، البتہ جذباتی لحاظ سے یہاں کا ہر ایک استاد اور ہر ایک طالب علم متاثر تھا، جس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ دارالعلوم کا ہر ایک فاضل انگریز اور برطانوی حکومت کا مخالف اور حریت کا دلدادہ تھا۔ جنہوں نے فارغ ہوکر تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ یہ دارالعلوم کے ماحول کی ایک خصوصیت تھی۔

۲۔ دارالعلوم کے ماحول کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ یہاں کے طلبہ کو فقہ، حدیث اور تفسیر میں قابلیت پیدا کرنے کے ساتھ فلسفہ، منطق اور ہیئت وغیرہ کا بھی شوق تھا۔ تاکہ احکام شرعیہ کو دلائل فلسفیہ سے ثابت کرسکیں اور فلسفی شکوک کے اعتراضات اور فرق باطلہ کا دفاع کرسکیں۔

چنانچہ بدعتوں سے اجتناب اور سنت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق دارالعلوم کے طلبہ میں اسی طرح رائج تھا، جسطرح آجکل کے نوجوانوں میں کوئی فیشن رائج ہوجاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اتباع سنت دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کا فیشن تھا۔

۳۔ حضرات اساتذہ میں اصلاح نفس اور تزکیہ باطن اور اتباع سنت کا عام جذبہ تھا۔ اس کا اثر طلبہ پر بھی تھا۔ چنانچہ بدعتوں سے اجتناب اور سنت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شوق دارالعلوم کے طلبہ میں اسطرح رائج تھا جسطرح آجکل کے نوجوانوں میں کوئی فیشن رائج ہوجاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کہا

جا سکتا ہے کہ اتباعِ سنت دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کا فیشن تھا۔

۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء میں احقر کو حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہٗ العزیز کے حلقۂ درس میں دورۂ حدیث کی شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سال دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد ۸۰ تھی۔ ان میں ایک تہائی کے قریب ان علاقوں کے طلبہ تھے جو اب پاکستان میں شامل ہیں ہندوستان کے علاوہ افغانستان، بخارا، تاشقند کے طلبہ تھے۔ ایک صاحب احمدین کے تھے۔ مولانا محمد ابن موسیٰ کا آبائی وطن اگرچہ سملک ضلع سورت تھا، مگر ان کے والد صاحب کا کاروبار جوہانس برگ (ساؤتھ افریقہ) میں تھا۔ چنانچہ فراغت کے بعد یہ افریقہ چلے گئے اور وہیں عظیم الشان خدمات انجام دیں، کچھ طلبہ برما، سیلون اور جاوا کے بھی تھے۔ اس سال کے بعد دورۂ حدیث کے طلبہ کی تعداد بڑھتی رہی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان تقسیم ہوا تو دورۂ حدیث کے طلبا کی تعداد تقریباً دو سو تھی اور اس سال ۱۹۶۸ء میں تقریباً تین سو ہے۔

ان فارغ ہونے والے طلبہ میں بہت سے وہ تھے جنہوں نے اپنے اپنے وطن واپس ہو کر وہاں تعلیمی اور دینی ادارے قائم کئے۔ ان اداروں کے بنیادی نظریات بھی یہی ہوتے تھے۔

اس تمام نقشہ کو سامنے رکھا جائے تو نتیجہ صرف یہ نہیں ہے کہ دارالعلوم نے ہزاروں طلبہ کو عالم بنایا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہند اور بیرونِ ہند میں سینکڑوں ادارے قائم کر دئے جو ایک طرف تعلیمی خدمات انجام دے رہے ہیں تو دوسری جانب وہ فضا بھی پیدا کر رہے ہیں جس کا تقاضا ہے، احترامِ شریعت، اتباعِ سنت، رد بدعت، نیز سیاسی لحاظ سے حریت فکر، آزادیٔ ضمیر اور بالخصوص مغربیت سے بغاوت۔

دارالعلوم دیوبند میں ذریعۂ تعلیم اردو رہا۔ غیر اردو علاقوں کے طلباء دارالعلوم کے زمانۂ قیام میں اردو سے پوری طرح واقف ہو جاتے تھے۔ آج اگر تاشقند، بخارا، حجاز، جنوبی افریقہ کے ممالک نیز سیلون انڈونیشیا، برما وغیرہ میں اردو سمجھنے والے طلباء پائے جاتے ہیں تو اس کا ایک بہت بڑا سبب دارالعلوم دیوبند ہے۔ اس موقع پر مظاہر العلوم سہارنپور۔ مدرسہ شاہی مراد آباد اور دہلی کے عربی مدارس بھی فراموش نہ ہونے چاہئیں۔ یہاں بھی ہندوستان کے علاوہ بیرونِ ہند کے طلبہ آتے رہے لیکن ان تمام اداروں میں مرکزیت دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہے۔ فزادھا اللہ افادۃً وشرفاً وکرامۃً۔ ■

تبلیغی اور دعوتی جہاد

اگر آپ الحق کی دینی اور علمی افادیت محسوس کرتے ہیں، تو اس آوازۂ حق کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے میں ہماری مدد فرمائیں۔ آپ کے تعاون ہی سے الحق بہت جلد اپنے بلند معیار تک پہنچ سکتا ہے۔

الحق کا استحکام اور اس کا فروغ

تعلیمات کتاب و سنّت، کلمۂ حق، دینِ قیّم اور نوامیسِ اسلام کا فروغ ہے

اگر آپ اس دینی اور تبلیغی جہاد میں براہِ راست شریک ہونا چاہتے ہیں تو آئیے اپنے بھرپور تعاون سے الحق کی سرپرستی کیجئے۔ واجرکم علی اللہ۔

- اپنے حلقۂ اثر و رسوخ سے الحق کیلئے خریدار بہم پہنچائیے۔
- دینی درد اور تڑپ رکھنے والے دوستوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں الحق سے روشناس کرائیے۔
- اپنی طرف سے نادار طلبہ، دینی اداروں، تعلیمی مراکز، لائبریریوں بالخصوص باطل نظریات سے متاثر افراد کے نام الحق جاری کرائیے۔ الحق مہینہ بھر کی فکری اور علمی کاوشوں کا مرقع ہوتا ہے۔ آپ گھر بیٹھے اس تمام تبلیغی محنت میں برابر کے شریک ہوں گے۔
- اگر آپ کے نام الحق جاری ہے۔ اور آپ نے زر اشتراک ابھی تک نہیں بھیجا تو جلد ارسال فرمائیے۔
- اگر آپ کسی تجارتی فرم کے مالک ہیں تو خود ورنہ اپنے زیر اثر حضرات سے الحق کیلئے اشتہارات مہیا فرمائیے
- اپنے شہر میں کسی موزوں دیانتدار شخص کے ہاں الحق کی ایجنسی قائم کروائیے۔
- اپنے امدادی عطیات سے الحق کو زیادہ سے زیادہ ظاہری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہونے کا موقع دیجئے۔

اس پرفتن دور میں الحق دعوتِ حق کی ایک قندیل اور استیصال باطل کا ایک محاذ ہے، اس کے فروغ اور استحکام میں آپ کی کوئی سعی انشاء اللہ رائیگاں نہ ہوگی۔ اور آپ بارگاہِ ایزدی سے اجر و تحسین کے مستحق ہوں گے ــــــ

ــــ ناظمِ الحق ــــ

بسلسلۂ جلسۂ دستار بندی
دارالعلوم حقانیہ

ارشادات حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی مدظلہ
ضبط و ترتیب : ابو حامد ادارۃ الحق

پند و موعظت

بکھرے موتی

حضرت درخواستی مدظلہ کا وجود مسعود اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ اور سادگی، فقر، زہد و ایثار اور شفقت علی الخلق کا پیکر ہے۔ مخصوص لہجہ میں ان کے سادہ، عام فہم، میٹھے میٹھے الفاظ سے سامعین پر غضب کا اثر ہوتا ہے۔ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" پیش نظر مضمون حضرت مدظلہ کی وہ تقریر ہے جو آپ نے مورخہ ۷، ۸ ر اکتوبر ۱۹۶۷ء دارالعلوم حقانیہ کے جلسۂ دستار بندی میں ارشاد فرمائی۔ (سمیع الحق)

خطبۂ مسنونہ کے بعد ——— قدرت کے کرشمے ہیں، مدت کے بعد دارالعلوم حقانیہ کا یہ جلسۂ دستار بندی ہو رہا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ اس اجتماع میں فضلاء بھی جمع ہوئے۔ قاری قرآن بھی اور حفاظ بھی امیر بھی آئے۔ غریب بھی آئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب تک اللہ تعالیٰ کے عنایات ہمارے اوپر ہیں۔ اسکی نظر عنایت نہ ہوتی تو اتنا عظیم اجتماع غریبوں کے ہاں نہ ہوتا۔
"کنز العمال" میں ہے، جب قرآن و حدیث پڑھا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں۔ جاؤ میرے اُن سب بندوں کو خوشخبری سنا دو۔ جو میری کتاب سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں جو بیٹھے ہوئے ہیں، لیٹے ہوئے ہیں۔ اور جو کھڑے ہیں۔ اور جو اپنے گھروں میں قرآن مجید سنتے ہیں۔ رحمت کا دریا موج میں ہے، رحمت سے دامن بھرنا ہے تو بھر لو۔ پھر موقعہ ملے گا یا نہیں ملے گا۔ "من آنم کہ من دانم" کَبَّرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ۔ بڑوں کی موت نے ہم جیسوں کو بھی بڑا بنا دیا ہے ؎

آنانکہ خاک را بیک نظر کیمیا کنند ۔۔۔ آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

؎
حریفاں بادھا خوردند و رفتند
تہی خم خانہا کردند و رفتند

نہ وہ نگاہیں نظر آتی ہیں ، نہ وہ چہرے نظر آتے ہیں ، جن کے دیکھنے سے خدا اور حدیث مصطفےٰ یاد آئے ، جن کے ساتھ بیٹھنے سے قرآن اور نبی کی سنت یاد آئے ، موت اور قبر یاد آئے اور قیامت کا نقشہ سامنے آجائے ۔ مگر پھر بھی اس وقت کو غنیمت سمجھو ۔ خدا کی زمین ابھی تک خالی نہیں ہوئی ـــــ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُقَالَ فِی الْاَرْضِ اللّٰہ اللّٰہ ۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا ۔ مزا تو اللہ کا نام لینے میں ہے ۔ سب درد دل سے کہو اللہ اللہ ـــ کیسا میٹھا نام ہے اللہ کا ۔

پیدائش کا مقصد تعلیم قرآن اس مہربان خدا نے پوری مہربانی کی ، پہلے انسان پیدا کیا ، اوپر سے قرآن کی بارش برسائی اور اعلان کر دیا ـــ الرحمان علّم القرآن خلق الانسان علّمہ البیان ۔ مہربان نے بڑی مہربانی کی انسان کو پیدا کیا اور اس کو گویائی کی طاقت دی ، جانور بڑے زبان والے ہیں مگر ایک لفظ نہیں بول سکتے ۔ انسان کی چھوٹی سی زبان اور کیسے فصیح و بلیغ بیان کرتی ہے ترتیب کا مقتضیٰ یہی تھا کہ پہلے انسان کی خلقت کا بیان ہوتا ، پھر تعلیم قرآن کا ۔ مگر قرآن نے انسان کی پیدائش کا ذکر بعد میں کیا اور تعلیم قرآن کا پہلے اشارہ کر دیا کہ انسان کی پیدائش کا مقصد بھی تعلیم قرآن ہے ۔۔۔ یہ دینی مدارس کی برکت ہے کہ آپ کو بغیر تکلیف کے سنانے والے آگئے ۔ کہاں کہاں سے علماء آئے ۔ ؟ کراچی ، لاہور اور دور دور سے آئے ۔

روٹھے خدا کو مناؤ یہ رب کی مہربانی ہے ۔ تمہارا کمال نہیں کہ اللہ نے تمہیں سننے کے لئے پہنچا دیا ۔ اس وقت کو غنیمت سمجھئے ، تم خوش منا رہے ہو اور مجھے ڈر ہے کہ آئندہ سال تک تمہارے بچوں کا کلمہ بھی بچے گا یا نہیں ۔ ملک کے اندر جو فتنے پھیل رہے ہیں ان کی تشریح کی ضرورت نہیں ، غفلت اور چین کا وقت نہیں : روٹھے خدا کو منانے کا وقت ہے ۔ مناؤ ، قبروں کے اندر آئیں پھر وگے ، کوئی چارہ نہ ہوگا ـــ ترکستان میں زلزلے آئے ، ہزاروں جوان مرد عورتیں بچے زمیں میں چلے گئے ، بعض علاقوں میں ۲۲ انچ کی بارش ہوئی بستیوں کی بستیاں اجڑ گئیں ، فصل بھی اجڑ گئے ، سرحد کے رہنے والو اس وقت کو غنیمت سمجھو ۔ روٹھے خدا کو مناؤ آج رات منانے کی ہے اکٹھے ہو کے مناؤ ، پتہ نہیں پھر ایسی رات سے یا نہ ملے ۔

یہ مدرسہ ہمارے اکابر کی یادگار ہے میں تقریر کیلئے نہیں آیا ، ایک ہفتہ بیمار بھی رہا ہوں ۔ پھر جمعیۃ والوں نے ایسا طوفانی دورہ رکھا کہ دن میں دو دو تقریریں رہیں ۔ رات کو بھی جلسے ہوتے رہے ۔ اکوڑہ خٹک کے ساتھیوں نے مجبور کیا اور یہ مدرسہ یادگار بھی ہے ہمارے اکابرؒ کا ۔ یہاں حضرت

شیخ الشریعت والطریقت حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی بھی تشریف لائے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بھی تشریف لائے[1]۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب شیخ التفسیر اور حضرت مولانا قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لائے ــــــ

دارالعلوم دیوبند کو دعا | درمیان میں ذکر آیا اس مدرسے کا، دعا کریں اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے اور اس مدرسے کے فیوضات کو قیامت تک جاری رکھے مٹانے والوں کو خدا مٹا دے اور اس کو خدا روزانہ ترقی عطا فرماوے۔

پرویزی فتنہ | آج کہا جا رہا ہے کہ ہم حدیث کو مٹا دیں گے۔ پرویزی فتنہ پاکستان میں پھیل رہا ہے۔ مٹانے والے مٹتے رہے، مٹ کر رہیں گے حدیث مصطفیٰ جس طرح رہی ہے۔ اب بھی ہے۔ قیامت تک رہے گی، نہ حدیث کے پڑھنے پڑھانے والے مٹائے جا سکتے ہیں۔

دعا | اس مدرسہ (دارالعلوم حقانیہ) کے اندر قرآن و حدیث اور دینی کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں۔ چار سال سے جلسہ نہیں ہوا۔ چار سال کی کسر ایک ہی دن ملا کر نکال دی۔ تمام فضلاء کو اکٹھا کیا تقریباً تین سو افراد کے سروں پر دستار فضیلت رکھی جائے گی۔ ساتھیوں نے دعا کے لئے کہا تو مجھے آنا پڑا، دعا فاضل بھی مانگتے ہیں اور مفضول بھی۔ جب حکم ہوا تو آ گیا۔ دعا کرتا ہوں اس مدرسہ کو اللہ تعالیٰ اور ترقی دے اور پڑھانے والوں کو اخلاص دے۔ پڑھنے والوں کو بھی اخلاص اور حافظہ و ذہانت میں ترقی دے۔ جن کی دستاربندی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی قرآن و حدیث کا شیدائی بنا دے۔ اللہ ان کو بھی مجاہد بنا دے، اسلام کا خادم بنا دے ــــــ

احساس ذمہ داری | یہ دستاربندی ان فضلاء کے سروں پر بوجھ رکھا جا رہا ہے، ان کو بھی میں کہہ رہا ہوں کہ تم نے چین کی زندگی بسر نہیں کرنی جس طرح قرآن و حدیث پڑھانے والوں نے تکالیف اٹھا اٹھا کر رنگ تمہارے اوپر چڑھایا، کوشش کرو تاکہ یہ رنگ تمہارا قائم رہے، کہیں خدا ناراض ہو کے اسے چھین نہ لے ــــــ

فتنوں کی یلغار | ملک کے اندر بے ادبی کا بیج بویا جا رہا ہے۔ کہیں حدیث کا انکار ہو رہا ہے کہیں عیسائیت کی تحریک زور سے چل رہی ہے۔ تثلیث کے عقیدے کو پھیلایا جا رہا ہے ہمارے اپنے بھی معاونت کر رہے ہیں ــــــ ع ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام ــــــ سینا پہ

---

[1] حضرت عثمانی مرحوم کی تشریف آوری کا اتفاق نہیں ہوا۔ (ادارہ)

پابندی نہیں ہے۔ ناچ گانے پر پابندی نہیں ہے، قرآن و سنت پر پابندی ہے۔

اہل حق کا شیوہ | مگر اہل حق اس پابندی کی پرواہ نہیں کرتے حق بات منبر پر بھی کہیں گے اور دار و رسن پر بھی کہتے رہیں گے۔ کہیں نظر بندی ہے، کہیں زبان بندی ہو رہی ہے۔ کہیں مکان بندی، مگر شکر ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ میں نظر بندی اور زبان بندی ہے۔ مگر دل بندی خدا نے کسی کے اختیار میں نہیں دی ——— القلوب بین اصبعی الرحمان یقلبہا کیف یشاء۔۔۔ دل اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں جس طرف چاہے پھیر دے۔

قرآن مجید کی شان | ہمارے مرشد اور ہادی جن پر قرآن مجید اتارا گیا۔ قرآن بھی شان والا، دیکھنے والا بھی اور جن پر اتارا گیا وہ بھی شان والے۔ اب جو پڑھتے دیکھتے سنتے ہیں۔ اور جو اٹھانے والے، خدمت کرنے والے ہیں وہ بھی شان والے ہیں جس بچے کے سینے میں قرآن آیا وہ بھی شان والا ہو گیا۔ حق تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے، بچے ماں باپ کو لے آؤ انہوں نے تکلیفیں اٹھا کے تمہیں قرآن یاد کرایا تھا۔ رحمت کا دریا جوش میں آئے گا: اُلبس والداہ تاجا من نور یوم القیامۃ۔ اس کے ماں باپ کو نورانی تاج پہنایا جائے گا۔ الذی ضوءہ احسن من ضوء الشمس۔ اس تاج کی چمک سورج سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوگی ——— فما ظنکم بالذی عمل بہذا۔ پھر جنہوں نے اس کو یاد کر کے عمل بھی کیا ان کے تو درجے اور بھی بلند ہو گئے ——— مجھے کئی دفعہ خیال آیا کہ قیامت کے دن کسی دوسری کتاب کے پڑھنے کا بھی حکم ملے گا یا نہیں۔ ؟ مگر مجھے کہیں نہ ملا ——— یہ شان ہے آخری کتاب کی رب تعالیٰ فرمائیں گے۔ ایہا القاری اقرأ ورتل کما کنت ترتل فی الدنیا۔ اس طرح آہستہ پڑھو جس طرح دنیا میں قرآن پڑھتے تھے۔ اور قرآن پڑھتے جاؤ اور جنت کے درجوں میں بڑھتے جاؤ۔ فیکون منزلک حیث تنتہی الآیۃ۔ جہاں آخری آیت قرآن کی ختم ہوگی، وہاں تمہیں جنت میں مکان ملے گا۔ ماشاء اللہ یہ عربی مدرسہ دارالعلوم حقانیہ کی برکت ہے کہ آج سب طالب قرآن بن گئے۔ الحمد للہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔ بیشک ہم ہی نے قرآن اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

عقلمند کون ہے؟ | دنیا میں سب کہتے ہیں ہم عقلمند ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان فی خلق السموات والارض واختلاف اللیل والنہار ——— فرمایا عقلمند کون ہے؟ ——— الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبہم۔ عقلمند وہ ہیں جو کھڑے ہوئے بھی اللہ کا نام لیتے ہیں، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے بھی اللہ کا نام لیتے ہیں ——— ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش — تا دم آخر دمے فارغ مباش

؎ یک دم غافل ازاں شاہ نباشی — شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

حضرت علیؓ فرماتے ہیں ؎

اجهد ولا تکسل ولا تک غافلا　　　فندامة العقبیٰ لمن یتکاسل

کوشش کر سستی کے ساتھ زندگی مت گذار جو شخص سستی کے ساتھ زندگی گذارے گا قیامت کے دن بغیر شرمندگی کے کچھ نہ پائے گا ___

یہاں خدا نے نقشہ بتا دیا کوئی کھڑے سن رہے ہیں کوئی بیٹھے اور کوئی لیٹے ہوئے بھی سن رہے ہیں۔ پھر عقلمند صرف سن نہیں رہے بلکہ پیدائش کائنات میں فکر بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں : ربنا اے ہمارے پالنے والے خدا۔ تو تو پالنے سے تھکتا نہیں، دینے سے رکتا نہیں ، ما خلقت ھذا باطلا۔ اے مولا تیری شان ہے۔ تو نے آسمان اور زمین کو بے کار نہیں بنایا تو انسان بھی بے کار نہیں۔ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ؎

بندہ آمد برائے بندگی　　　زندگی بے بندگی شرمندگی

انسان اپنے رب کی پہچان اور بندگی کے لئے آیا۔

ہمارا سرمایہ پہچان خداوندی ہے | حضرت علیؓ کو ایک دفعہ حضورؐ نے خصوصی وعظ فرمایا اور تین چیزیں بیان فرمائیں۔ فرمایا المعرفة راس مالی۔ پہچان خداوندی ہمارا راس المال ہے۔ یہ قرآن و حدیث کے مدارس بھی رب کے پہچان کا ذریعہ ہیں۔ خدا سب کو اپنی پہچان نصیب کرے۔

علم دین ہمارا ہتھیار ہے | اور فرمایا : العلم سلاحی۔ علم دین ہمارا ہتھیار ہے۔ ہمیں ڈرایا جا رہا ہے کہ مولویوں کے ہاتھ میں کیا ہے۔ ان کو مٹا دیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا دین کا علم ہمارا ہتھیار ہے باقی ہتھیار اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ الحمد للہ

ہمارا ناز کتاب اللہ اور حدیث مصطفیٰ پر ہے | کسی کو قومی اسمبلی کی ممبری پہ ناز ہے، کسی کو صوبائی اسمبلی پہ، کسی کو ناز درہم و دینار پر ہے، کسی کو جاگیر اور محلات پہ، علمائے دیوبند اور جمعیۃ العلماء اسلام کو خدا کی کتاب اور حدیث مصطفیٰؐ پہ ناز ہے۔

ذرہ ذرہ ہمیں سبق دیتا ہے | یہ گاڑیاں ادھر سے بھی آرہی ہیں ادھر سے بھی ان میں سبق ہے کہ اے بندو ___

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے　　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

کوئی مشرق کو جا رہا ہے کوئی مغرب کو جیسے گاڑی جو صراط مستقیم پہ چل رہا ہے صحیح چلنے والا کامیاب ہو گا۔ سبیلہ کٹ جائے گا تو پکڑا جائے گا۔ قرآن و حدیث کا ٹکٹ لے کر جاؤ گے تو سرفراز ہو گے۔

ورنہ نامراد ہو جاؤ گے ـــــ ساتھیوں نے یہ لائیں (بجلی کے بلب) بھی بڑی معقول لگائی ہیں، پٹھان جو ہوئے، مسجد دیکھی تو بجلیوں سے چمک رہی ہے۔ یہ جلسہ گاہ دیکھا رنگ برنگ بجلیاں ہیں مگر ان سے آواز آرہی ہے، ہمارا رنگ بے وفا قرآن اور دین مصطفیٰ کا رنگ وفادار ہے ـــ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔ یہ بجلی کی چمک آواز دے رہی ہے کہ ہماری چمک بھی بے وفا اور ہماری رنگینی بھی بے وفا دل والی بجلی کو قرآن سے روشن کرو یہ روشنی قبر میں بھی ساتھ جائے گی اور حشر میں بھی ساتھ رہے گی۔

صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی میں کیا کہوں پاکستان میں نئے نئے فتنے اٹھائے جارہے ہیں، کہیں بے ادبی کا بیج بویا جارہا ہے کہیں اصحابؓ رسول کی توہین ہے۔ پہلے رافضیوں سے تنگ تھے اب سنے مجتہدین بھی اسی فتنے کو لیکر کھڑے ہو گئے۔ اللہ اس فتنہ سے بچائے۔

صحابہ کرامؓ کا مقام حضورؐ نے فرمایا ـــ اذا اراد اللہ برجل من امتی خیرا القی اللہ حب اصحابی فی قلبہ۔ جب کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں تو میرے صحابہؓ کی محبت ان کے دل میں خود ڈال کر تمام صحابہؓ کو اسے محبوب بنا دیتے ہیں ـــ فرمایا: شرار امتی اجرؤھم علی اصحابی ـــ میری امت میں سے سب سے زیادہ شریر وہی ہوں گے جو میرے صحابہؓ پر سب سے زیادہ حملہ کریں گے ـــ ہر صحابیؓ شان والا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: لا تمس النار من رأنی ولا رأی من رأنی۔ جنہوں نے مجھے ایمان کے ساتھ دیکھا ان کو جہنم کی آگ مس نہیں کریگی اور میرے دیکھنے والوں کو بھی جس نے ایمان کے ساتھ دیکھا ان کو بھی جہنم کی آگ مس نہیں کرے گی۔

ارشاد فرمایا کہ ایک وقت آئے گا ایک جماعت آئے گی اور میرے صحابہؓ کی شکایت کریگی فرمایا: لئن سلکتم طریقہم لسبقتم سبقا بعیدا ولئن اخذتم یمینا وشمالا لضللتم ضلالا بعیدا۔ میرے صحابہؓ کے طریقے پر چلو گے تو نیکی میں سبقت کر جاؤ گے۔ اگر دائیں بائیں کوئی دوسری راہ نکالو گے تو گمراہی میں بھی بعید ہو جاؤ گے ـــ اللہ تعالیٰ ہمیں حضورؐ اور صحابہؓ کی اتباع نصیب کرے ـــ

ہمارا مسلک ہم سے پوچھتے ہیں کہ علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کا مسلک کیا ہے تفسیر قرطبی میں ہے۔

حب النبی رسول اللہ مفترض — وحب اصحابہ نور ببرھان
من کان یعلم ان اللہ خالقہ — لا یرمین ابابکر ببھتان
ولا اباحفص الفاروق صاحبہ — ولا الخلیفۃ عثمان بن عفان
اما علیؓ فمشہور فضائلہ — والبیت لا یستوی الا بارکان

یعنی حضورؐ کی محبت فرض اور ضروریات دین میں سے ہے امام بخاریؒ نے باب باندھا "حب النبی من الایمان" حضرت محمد مصطفیٰ کی محبت ایمان کی جز ہے۔ اور صحابہ کرامؓ کی محبت بھی تو ہے۔ دلیل کے ساتھ من کان یعلم کہا یعقل نہیں کہا۔ یعنی جو دل کے ساتھ مانے کہ بیشک اللہ تعالیٰ اسے پیدا کرنے والا ہے تو وہ ابوبکر صدیق حضرت فاروق، حضرت عثمان حضرت علی پر کوئی بہتان نہیں لگائے گا۔

قدرت خداوندی | إلا اللہ خالقہ؟ سب کے پیدا کرنے والا کون ہے ؟۔ اللہ ـــ فرمایا۔ یا ایھاالناس اذکروا نعمۃ اللہ ــــ کون ہے اللہ کے سوا جو اوپر سے بارش برسائے خصوصی نعمتیں پیدا کرے نیچے سے سبزیاں اگائے۔ جاعل الملائکۃ رسلاً اولی اجنحۃ مثنیٰ وثلاث ورباع۔ فرشتوں کو خدا نے دو پر بھی دئے۔ تین اور چار بھی جس کی پیدائش میں جتنا چاہے اضافہ فرما دے۔ بخاری شریف میں ہے: رأیت جبریل لہ ست مائۃ جناح قد سد افق السماء۔ میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔ جس نے آسمان کے کناروں کو بند کر دیا تھا۔ سبحان اللہ یہ فرشتے پیدا کرنے والا ان کی تعداد میں زیادتی کرنے والا، آسمان اور زمین کے درمیان پرندوں کو اڑانے والا۔ ان کی نگرانی اور ان کے رزق کا انتظام کرنے والا، اللہ ہی ہے۔ یہ پانی کے چشمے اسی نے جاری کئے زمین میں مختلف قسم کے انگور اور رنگ برنگ کے پھل پیدا کرنے والا وہی ہے۔

جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی تربیت | جس خدا نے جسمانی تربیت کا انتظام فرمایا، اس خدا نے روحانی تربیت کا بھی انتظام کیا جس خدا نے جسمانی تربیت کے لئے منتظمین کو بھیجا۔ روحانی تربیت کیلئے بھی معلمین کو بھیجا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک سارے معلم روحانی معلم بن کے آئے مگر تمام سے اعلیٰ ترین کائنات، افضل ترین کائنات، انزہ ترین کائنات اعلیٰ ترین کائنات، اشجع ترین کائنات، اسخیٰ ترین کائنات، حضرت محمد مصطفیٰ کو بھیجا صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضورؐ کی شان | جتنا علم سب کو ملا حضورؐ کو اس سے زیادہ ملا۔ ایک بات سمجھا دوں۔ جتنا بھی ملا رب تعالیٰ کا فیضان ختم نہ ہوا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا: میں نے آپکو پڑھایا ہے۔ اور میری تعلیم ختم ہونے والی نہیں۔ قل رب زدنی علما۔ تو علم کی ترقی کے لئے دعا مانگتے رہو۔ میں دیتا ہی رہوں ـــ ـــ

یہ میرا عقیدہ ہے، حضورؐ کی دعا اب بھی گنبد خضرا میں گونج رہی ہے، ترقی کیلئے، اور اب نیا علم دے رہا ہے۔ قیامت میں بھی جنت میں بھی دے گا۔ نہ رب کا دینا ختم ہوگا، نہ حضورؐ کا لینا ختم ہوگا۔

(قسط ۲)

قرآنِ حکیم ــــ اور ــــ تعمیرِ اخلاق

ــــ (سمیع الحق) ــــ

★

قرآنِ حکیم اور قوتِ شہوانیہ کی اصلاح | قدیم فلسفۂ اخلاق کے علماء کو بھی اعتراف ہے کہ انسانی فطرت میں قوتِ علمیہ کے بعد قوتِ شہوت اور قوتِ غضب دو ایسی قوتیں ہیں جو تمام اخلاق کی بنیاد ہیں۔ ان دونوں صفات کی خوبی بھی ان کا اعتدال میں رکھنا اور برائیوں کی طرف سے ان کا رخ نیکیوں کی طرف موڑنے میں ہے۔ شہوت نام ہے فطرتِ انسانی کے امور کی طلب، خواہش اور قوت کا۔ اگر یہ قوت اعتدال میں رہے تو اس سے عفت پیدا ہوتی ہے جس سے آگے چل کر سخاوت، پاک دامنی، پرہیزگاری، شرم و حیا، صبر و شکر، قناعت، بے طمعی، خوش طبعی، جود و بخشش، ترقی مال اور اولاد کی خواہش، جذبۂ محنت و جد و جہد وغیرہ اخلاقِ حسنہ کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اگر اس قوتِ شہوانی میں افراط و تفریط آجائے تو وہ تہور اور جبن کا ذریعہ بن جاتا ہے، جو بعد میں حرص و طمع اسراف اور بخل، بے شرمی، ریا، اوباشی، تملق، حسد، رشک اور بے حیائی وغیرہ اخلاقِ قبیحہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ امام غزالیؒ نے قوتِ شہوت کو ایک ظالم اور مطلق العنان حکمران سے تشبیہ دی ہے کہ اگر اسے قانون اور گرفت سے کلیۃً آزاد چھوڑ دیا گیا تو وہ اپنے لوٹ کھسوٹ ظلم تعدی اور فساد کے ذریعہ پورا ملک تباہی کے گڑھے میں پھینک دے گا۔ اور اگر اس کے تمام اختیارات سلب کئے گئے تو ملک کی ترقی میں تعطل اور جمود آجائے گا جس کے نتیجہ میں بدنظمی اور لاقانونیت ظاہر ہوجانے کی ہاں اگر اس کو شریعت عقل اور عقلی قوانین اور فرامین کا پابند بنایا گیا۔ تو وہ اپنی حدود میں رہ کر ملک کو خوشحالی سے ہمکنار کر دے گا۔ اسلام نے انسان کی اس فطری قوت کو نہ تو بالکلیہ زائل کیا کہ جبلی اوصاف اور طبیعتوں کا ازالہ ناممکن ہے۔ جس کی طرف حضور نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔

اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا سمعتم برجل زال عن خلقہ فلا تصدقوہ۔ (الحدیث) ..... جب تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنے جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اسکی تصدیق کرو، اور اگر سنو کہ کوئی شخص اپنے اخلاق سے ہٹ گیا ہے تو اسکی تصدیق مت کرو۔

ان قوتوں کو ہر قسم کی حدود اور قیودات سے آزاد نہیں چھوڑا گیا۔ بلکہ اس کے استعمال کیلئے صحیح موقع اور جائز محل متعین کر دیا جبکہ فلسفہ اخلاق اور اصلاحی تحریک میں انسان کی فطری قوتوں کا ازالہ یا انہیں سختی سے دبانے کی کوشش کی گئی اس کا نتیجہ سوائے عظیم الشان اخلاقی تباہی کے اور کوئی ظاہر نہ ہو سکا۔ یہودیت، نصرانیت، بدھ مت اور ہندو مت کی مثالیں اور بالخصوص عصر حاضر کے مغربی تمدن کا نمونہ ہمارے سامنے ہے ان میں سے بعض نے تو رہبانیت ترک دنیا، تجرد، نکاح، توالد و تناسل سے احتراز پر زور دیا۔ دنیا کو دین سے الگ کر دیا۔ اور خواہشات نفس پوری کرنے کی جائز صورتیں بھی حرام ٹھہرا دیں۔ زندگی سے فرار، مال و دولت سے بیزاری کے طریقے اختیار کئے گئے اور بعض نے حصول دنیا اور تقاضائے شہوت ہی کو مقصد زندگی بنا لیا اور اس راہ میں حائل ہونے والی تمام اخلاقی حدود اور رکاوٹوں کو پس پشت ڈال کر انسان کو خوشحال حیوانات کی صف میں کھڑا کر دیا۔ قرآن کریم نے درمیان اور اعتدال کی بہترین راہ نکالی۔ وہ مال و دولت، عورت اور دنیاوی لذائذ کی محبت کو انسان کا فطری تقاضا قرار دیتا ہے ۔۔۔

زین للناس حب الشهوات من النساء والبنين والقناطير المقنطرة من الذهب والفضة والخيل المسومة والانعام والحرث ذالك متاع الحيوة الدنيا۔ ... فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی ۔۔۔ یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں۔

اس حب الشہوات کا خلاصہ بنیادی طور پر دو چیزیں ہیں۔ مال کی محبت اور عورت کی محبت۔ قرآن کریم دونوں میں افراط اور تفریط سے بچنے کی تلقین اور خود اعتدال کی درمیانی راہ متعین کرتا ہے اور جائز و ناجائز حرام و حلال تمام شکلوں کو واضح کرتا ہے۔

حب مال میں اعتدال | وہ دنیا کے حصول اور مال و دولت میں ترقی سے نہیں روکتا۔ بلکہ دنیا کی تمام مادی طاقتوں کو اس کا مسخر اور خادم ظاہر کرتا ہے۔ وہ مال اور دنیا کو آیت ان ترک

خیرون الوصیۃ اور وابتغوا من فضل اللہ میں خیر اور فضل اللہ کا نام دیتا ہے وہ فوجی قوت اور آلات حرب کی تیاری لازم کرتا ہے۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ۔ قرآن کریم کے شارح حضور نے اسلامی عبادات کے بعد مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض رزق حلال کمانا قرار دیا۔ (بیہقی)
اور فرمایا کہ دنیا کے تحصیل میں ایسی کوشش کرو کہ گویا تمہیں ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا ہے اور آخرت کیلئے ایسی کوشش کرو کہ گویا تمہیں کل ہی دنیا سے جانا ہے۔ اس نے زراعت۔ تجارت، ملازمت اور سیر فی الارض وغیرہ ہر شکل میں معاش کی راہیں سمجھائیں۔

وجعلنا لکم فیھا معایش۔ ...	ہم نے تمہارے لئے زمین اور آسمان میں سامان رزق رکھا ہے۔
ھو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبھا وکلوا من رزقہ۔	وہی ہے جس نے تمہارے آگے زمین کو پست کردیا۔ اب اس کے کندھوں پر چلو پھرو اور کھاؤ اسکی دی ہوئی روزی۔

قرآن کریم دریافت کرتا ہے کہ کس نے تمہارے اوپر دنیاوی عیش اور متاع لذت اور طیبات کو حرام ٹھہرایا ہے قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق۔
پھر دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونے کی اجازت کے ساتھ ساتھ یہ اہتمام بھی کیا کہ انسان اپنی روحانی زندگی اور آخرت کی دائمی مسرتوں کو نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے جابجا دنیا کی حقیقت اور بے ثباتی بیان فرمائی کہ انسان اس دنیا کی فانی لذت کو مقصد حیات نہ سمجھ بیٹھے۔ والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر املا

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر وابقی۔	تم حیات دنیوی کو پسند کرتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔
انما الحیوۃ الدنیا لھو ولعب وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الآخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔	جان رکھو دنیاوی زندگی کھیل تماشہ ہے اور آپس کی بڑائی مال اور اولاد بڑھانے کی فکر ہے۔ اسکی حقیقت بارش کیطرح ہے جس کا سبزہ کسانوں کو اچھا لگا۔ پھر کچھ دن بعد وہ سب کچھ زرد اور خشک روندھا ہوا گھاس ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں سخت عذاب بھی ہے اور خدا کی رضامندی بھی۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

حُبّ مال میں غلو اور افراط اور پھر اس کے نتیجہ میں جو اخلاقی خرابیاں ظاہر ہوسکتی تھیں آخرت کا لافانی نقشہ سامنے لاکر اس کا علاج فرمایا۔ پھر اس کے ساتھ مال و دولت ذرائع آمد و خرچ اور اس کے استعمال کے تمام جائز اور ناجائز مواقع بیان کئے اور مشتبہات سے احتراز دوسروں کے اموال پر ناجائز قبضہ اور تصرف، لوٹ کھسوٹ، سرقہ، غصب، رشوت، دھوکہ فریب سے بچنے کی تعلیم دی۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون۔	آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور نہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ اور ظلم کے طور پر کھانے کیلئے جھوٹے مقدموں کو حاکموں کے پاس لے جایا کرو جبکہ تمہیں اپنے جھوٹ اور ظلم کا علم بھی ہو۔

...

حدیث میں آیا ہے کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ مگر کسی کا قرض[1] حقوق العباد کی بخشش ناممکن قرار دی گئی، جب تک کہ صاحب حق سے معاف نہ لیئے جائیں۔ حضور کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی سب چیزیں دوسرے مسلمان پر حرام ہیں۔ اس کا خون اسکی عزت و آبرو اور اس کا مال[2]۔ حضورؐ نے فرمایا رشوت لینے اور دینے والے اور لینے والے اور لکھنے والے سب پر خدا کی لعنت ہے[3]۔ خرچ کرنے کی صورت میں بے جا نمود و نمائش تعیش فضول خرچی اور اسراف کی ممانعت کی اور سادہ زندگی پر زور دیا تاکہ اقتصادی زندگی میں توازن قائم رہے۔

۱۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطان لربہ کفورا۔	بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ جو خدا کی نعمتوں کی بے قدری کرنے والا ہے۔
۲۔ والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما۔	خدا کے خاص بندوں کی ایک خاص صفت یہ ہے کہ وہ خرچ کرتے وقت نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگ چشمی بلکہ بیچ کا سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

.....

۳۔ ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطھا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔	اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کیساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔ (شیخ الہند)

پھر انفاق و ایثار کے ذریعہ جسکی کچھ تفصیل زکوٰۃ کے عنوان میں گذر چکی ہے۔ مال کو اعلاء کلمۃ اللہ غرباء پروری اور حصول مرضیات کا وسیلہ بنانا چاہا۔

---

[1] مسلم شریف [2] بخاری عن ابی ہریرۃ [3] ابوداؤد

حب شہوات میں عفت اور عصمت کا لحاظ | حب شہوات میں دوسری بنیادی چیز عورت سے محبت اور تعلق تھا۔ یہاں بھی اسلام نے نہ تو رہبانیت اور مانویت کی طرح تقشف، تجرد اور تبتل کی راہ اختیار کی اور نہ یورپ کے اباحیت زدہ تمدن اور وسط ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اس خواہش کو کھلی چھوٹ دی۔ عورت جس کی حیثیت پچھلی قوموں میں ذلیل اور قابل نفرت مخلوق کی ہوگئی تھی اور بعض نے اس کی عصمت اور عفت کو سر راہ نیلام کر دیا تھا۔ اسلام نے اسے تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ حسن سلوک، پاسداری، نکاح اور تمتع کی تاکید کی۔

۲۔ خلق لکم من انفسکم ازواجاً | تمہارے لئے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کئے
لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ۔ | کہ تم ان کے ہاں سکون حاصل کرو اور تمہارے
..... | درمیان خدا نے محبت پیدا کر دی۔

فرمایا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف۔ اور عورتوں کا مردوں پر حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر ہے اچھے طریقے پر۔

ایک طرف عیسائیت کی راہبانہ تعلیم جس کی اساس ہی ازدواجی زندگی سے فرار پر ہے۔ دوسری طرف حضورؐ کا یہ ارشاد: الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأۃ الصالحۃ[1]۔ پوری دنیا متاع ہے اور بہترین متاع عورت ہے۔ اعتدال کی راہ میں اسلام اور عیسائیت کے اس عظیم تفاوت کو ظاہر کر رہا ہے۔ جب صحابہؓ میں سے بعض نے ترک دنیا اور تجرد اختیار کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے انہیں سختی سے روک کر فرمایا کہ بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں مگر میں کھاتا پیتا بھی ہوں اور شادی بھی کرتا ہوں۔ ایک دفعہ دو صحابہؓ نے ترک اکل حیوانات اور ترک نکاح کا عزم کیا تو آپ نے فرمایا میں تو ان دونوں سے متمتع ہوتا ہوں ایک دوسرے صحابیؓ کو رہبانیت اور تبتل سے روکتے ہوئے فرمایا میں یہودیت اور عیسائیت لیکر دنیا میں نہیں آیا ہوں بلکہ آسان سہل اور روشن حنیفیت لیکر آیا ہوں[2]۔ نکاح توالد اور تناسل کی بار بار رغبت دی اور اسے مختلف مواقع میں اللہ تعالیٰ سے پاک وصاف[3] ملنے رسولوں کی سنت[4] تحفظ عفت یعنی نگاہ کو محفوظ رکھنے اور شہوت[5] کی جگہ کو بچانے کا ذریعہ قرار دیا۔

الغرض شہوت کو اعتدال میں رکھنے نفس کو عفیف بنانے اور بقاء عالم کیلئے توالد و تناسل

---

[1] مسلم باب الوصیۃ بالنساء [2] مسند احمد ج ۵ ص ۲۲۶ [3] مشکوٰۃ باب النکاح
[4] بخاری کتاب النکاح [5] بخاری۔

کی غرض سے ازدواجی تعلقات اور خانگی زندگی کی اتنی تاکید فرمائی اور دوسرے طرف اس قوت کی بے اعتدالی کی تمام ناجائز صورتوں کی اس قدر تفصیل سے نشاندہی کی کہ فواحش اور منکرات کا کوئی گوشہ نہ چھوڑا بلکہ فواحش کے محرکات دواعی اور اسباب تک کی ہلاکت آفرینیاں بھی امت مسلمہ پر ظاہر فرمائی گئیں۔

سورۃ نساء میں زنا کو بیک وقت فاحشہ، مقت اور ساء سبیلا کہا گیا یعنی بڑی بے حیائی نہایت نفرت کی بات اور بہت برا طریقہ، اس میں صرف ایک لفظ مقت کائنات کی مرکزی طاقت سے تصادم اور امن وامان کی بربادی پر دلالت کرتا ہے۔ حضورؐ کی زبانی زنا کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ کہا گیا[1] دیگر روایات میں زنا کو پوری بستیوں کی ہلاکت[2] کثرت اموات[3] طاعون[4] اور قحط سالی[5] کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک اور موقعہ پر عفت وعصمت کی تاکید کرتے ہوئے اسے جزو نبوت کہا گیا اور عفت کو محفوظ رکھنے پر فلاح دارین اور جنت کی ضمانت دی گئی۔ قرآن کریم میں مرد اور عورت کو نگاہیں نیچی رکھنے شہوت کے مقامات کو ڈھانپنے اپنی زیبائش کی نمائش نہ کرنے اظہار زینت کیلئے پاؤں[6] زمین پر نہ مارنے کی تاکید کی گئی، بری نگاہ اٹھانے بری آواز بری بات کرنے اور دل کے برے ارادوں کو بھی زنا[7] کا نام دیکر برائیوں کے تمام دروازوں کو بند کرنا چاہا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جاہلی بے پردگی مرد اور عورت کے آزادانہ اختلاط، تنہائی کی ملاقات عام گذرگاہوں سے عورت کا خوشبو لگاکر گذرنے کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے پر پابندی لگاتا ہے۔ عورتوں کو بحالت مجبوری پردہ کی اوٹ سے درشت لہجہ[8] میں بات کرنے کی تعلیم اور پاکیزہ اور پاکدامن عورتوں کا آوارہ عورتوں سے امتیاز قائم رکھنے کیلئے انہیں خاص لباس[9] کا حکم دیتا ہے۔ وہ عورتوں کو شوہر کے رشتہ داروں اور مخنث[10] نابینا[11] اور مراہق[12] تک سے اجتناب اور اجنبی عورت کی حالت شوہر[13] کو بیان نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ شریعت غرا کی اس باریک بینی کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ مرد اور عورت کو اپنے ہم جنس کی شرمگاہ[14] دیکھنے یا کسی عورت یا مرد کا اپنے ہم جنس کے ساتھ ایک کپڑے اور ایک بستر[15] میں لیٹنے سے بھی منع کرتا ہے۔ جو لوگ کسی کی عفت اور عصمت کو بلا ثبوت افترا اور تہمت کے ذریعہ داغدار کرنا چاہیں قرآن کی نگاہ میں وہ ملعون[16] اور

---

[1] ابن کثیر ج ۳ ص ۳۸ [2] الجواب الکافی صفحہ ۳۳ [3] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۹ [4] الجواب الکافی صفحہ ۵۲
[5] مشکوٰۃ وغیرہ [6] نور [7] ترمذی ج ۱ ص ۱۸۶ [8] ترمذی ج ۱ ص ۱۵۹ [9] جمع الفوائد ج ۱ ص ۲۸۹
[10] [11] مسند احمد [12] مسند احمد وابن [13] ابوداؤد۔

تعزیر کے لائق ہیں، زنا اور اس کے دواعی کا اتنا شدید روک تھام کرنے کے ساتھ وہ دوسرے تمام غیر فطری راستوں سے شہوت کی تکمیل کو بھی نہایت مبغوض اور بدترین فاحشہ اور اس کے مرتکب کو قتل یا لعنت خداوندی کا مستحق سمجھتا ہے۔

من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول بہ[1]	تم نے کسی کو قوم لوط کا عمل کرتے دیکھا تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر ڈالو۔

تکمیل شہوت کی ایک اور قبیح شکل پر سخت وعید فرماتے ہیں:

من اتی بھیمۃ فاقتلوہ۔[2] ...	جس نے چوپایہ سے اپنی شہوت پوری کی اسے قتل کر ڈالو۔
الناکح بالید ملعون[3]	ہاتھ سے شہوت پوری کرنے والا ملعون ہے۔

غرض استلذاذ بالنفس استلذاذ بالمثل اور استلذاذ بالجنس کی کوئی غیر فطری اور قبیح اخلاقی برائی نہیں جس پر اسلامی تعلیمات میں تنبیہ نہ فرمائی گئی ہو۔ اور قوت شہوت کو بے لگام چھوڑ دیا گیا ہو۔ اسلام نے اپنی جامع تعلیمات کے ذریعہ قوت شہوت کو استنے حکیمانہ انداز سے اعتدال میں لاکر ہزاروں اخلاقی برائیوں کی جڑ اکھاڑ پھینک دی جس کا علاج رہبانیت، نفس کشی، ریاضتوں، غیر فطری مشقتوں کے ذریعہ مشکل تھا۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا: لا رھبانیۃ فی الاسلام[4]۔ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ــــ دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا: رھبانیۃ ھذہ الامۃ الجہاد فی سبیل اللہ[5] اس وقت کی رہبانیت جہاد ہے ــــ حضرت ابن عمرؓ نے عمر بھر روزہ رکھنے کا عہد کیا تو بلاکر سمجھایا کہ تمہارے اوپر تمہاری آنکھ اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ غرض سختی سے قوت شہوت کو ناجائز طریقوں سے مٹانے کی مخالفت کی اور فرمایا کہ تشدد اور نفس پر ظلم کے ان طور طریقوں نے اوروں کو بھی سختی میں ڈال دیا تھا۔

لا تشددوا علی انفسکم فیشدد اللہ علیکم فان قوما شددوا فشدد اللہ علیھم فتلک بقایاھم فی الصوامع والدیار[6]۔	اپنے اوپر سختی مت کرو ورنہ اللہ بھی تم پر سختی کرنے لگے گا۔ تم میں سے پہلے ایک گروہ نے یہ طریقے اختیار کئے تو اللہ نے بھی انہیں سخت پکڑ لیا۔ اب ان کی نشانیاں ان راہب خانوں اور گرجوں میں دیکھ لو۔

---

[1] ترمذی ص ۱۷۵ [2] جمع الفوائد ص ۳۸۹ ج ۱ [3] ... [4] مسند احمد [5] مسند احمد وابی یعلی [6] ابوداؤد

افراطِ شہوانی کے شرمناک نتائج | قوتِ شہوت کے تفریط کی کچھ مثالیں رہبانیت کے ضمن میں آچکی ہیں۔ اسکی افراط اور قلب و دماغ پر اس کے تسلط کے جو اندوہناک اور شرمناک نتائج رونما ہوسکتے ہیں اسکی مثالیں صفحاتِ تاریخ میں رومی تہذیب و تمدن اور اب عصر حاضر کی لادینی مغربی تہذیب یا پھر اشتراکی تمدن کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں، مغربی تہذیب نے اس بارہ میں رومی تہذیب کو اپنا امام بنایا جس کا خلاصہ بقول ڈاکٹر ڈریپر یہ تھا کہ "انسان کو چاہیئے کہ زندگی کو ایک سلسلۃ العیش بنائے" یہی عیش کوشی اور مادہ پرستی آج یورپ کا مذہب بن چکی ہے۔ بقول ایک مشہور مصنف اس مذہب کا عقیدہ یہ ہے، کہ "نیکی اور اخلاق نام ہے عملی فائدوں کا اس مذہب میں معیار کامیابی محض مادی کامیابی ہے۔ اس کے ذہنی نظام میں اللہ کی کوئی جگہ نہیں۔ زر پرستی اور نفس پروری اس کا اول و آخر مذہب اور مقصد حیات ہے۔ اور وہ ٹھیک من اتخذ الٰہہ ھواہ کی روشن مثال بن چکی ہے۔ اسلام نے سچائی اور خوبیوں کا اساس لا الٰہ الا اللہ کو بنایا تھا۔ تو یورپ نے لا الٰہ الا المعدۃ والمادۃ کو اپنا کلمہ بنایا۔ انسان کے دل و دماغ پر مادی نقطۂ نظر اور حیوانی شہوات کے استیلاء کے عملی نمونے اشتراکیت کے امام کارل مارکس اور انسان کا رشتہ چوپایوں اور بندروں سے ملانے والے ڈاروِن کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ ترقی یافتہ جانور ہونے کے اس احساس نے اسے عریاں اور حلال و حرام کے امتیاز سے بے فکر کر دیا ہے۔ اس تہذیب کے نتیجہ میں اخلاقی انحطاط اور انسانی تنزل کا وہ منظر سامنے آیا ہے جسکی نظیر تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔ رذائل اخلاق سے نفرت تو کیا اسے فطرت، ضمیر اور اخلاقی حدود میں لایا جا رہا ہے۔ پوری قوم زر پرستی اور شہوت پرستی کے جذبہ میں مغلوب ہو کر زنا، شراب نوشی، ہم جنس پرستی، لواطت، چوری، ڈاکہ، غصب اور فساد کے سیلاب میں بہہ رہی ہے۔ اور اس اباحت مطلقہ اور انسانیت سوز جرائم کی ہزار ہا ہزار رپورٹیں آئے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ انگلینڈ اور اس کی تقلید میں کینیڈا کی پارلیمنٹوں میں لواطت اور ہم جنس پرستی کی قراردادوں کی جوش و خروش سے منظوری اس بے راہروی کی واضح مثال ہے اور یورپ کے فکری تنزل کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس شرمناک فاحشہ کو دلائل اور مباحثوں سے موافق فطرت اور جائز فطری تقاضا کی تعمیل ثابت کرانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ پھر وہاں اخلاقی اقدار میں یہ تبدیلی اتنی تیزی سے ہو رہی ہے کہ تھوڑے عرصہ قبل ۱۸۱۲ء میں فرانس نے ایک قانون کے ذریعہ اسے قابل قتل جرم قرار دیا تھا۔ امریکہ جیسے "مہذب" ملک کا حال صرف ایک خبر سے لگایا جاسکتا ہے۔ (۱۰ اپریل (پ پ ا + اف پ) امریکہ

کے ہم جنسیت پرستوں کی ایک انجمن نے آج دعویٰ کیا ہے کہ امریکہ کا ہر چوتھا شخص "ہم جنسیت" کا شکار اور شائق ہے۔ امریکی فوج سے ہم جنسیت پرستوں کو نکالنے کی حامی کمیٹی سے مذکورہ انجمن نے کہا ہے کہ امریکی فوج میں ایک کروڑ ستر لاکھ ہم جنسیت پرست ہیں اور ان میں بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے۔ جو ویت نام کی جنگ میں حصہ لینے کے خواہاں ہیں اگر سب کو فوج سے نکال دیا گیا تو پیچھے کیا رہ جائے گا لیکن امریکی قانون کی رو سے تمام لوطیوں کو فوج سے برطرف کیا جانا چاہیے۔ انجمن کے سربراہ مسٹر ڈونلڈ سیلٹر نے کہا ہے کہ اس قانون کو تبدیل کرانے کیلئے گذشتہ فروری کے دوران کنساس میں ہونے والی کانفرنس میں ہم جنسیت پرستوں کی پندرہ تنظیموں نے ایک مہم شروع کرنے کا متفقہ فیصلہ کیا۔ مذکورہ انجمن عنقریب ایسے پمفلٹ شائع کرے گی جن میں عوام سے اپیل کی جائے گی کہ وہ صدر جانسن پر زور ڈالیں کہ ان کی حکومت ہم جنسیت پرستوں کے خلاف کاروائیاں بند کر دے ——— (روزنامہ جنگ ۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء)

یہی حال زناکاری کا ہے۔ ایک تازہ جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف برطانیہ میں چودہ لاکھ صرف وہ حرامی بچے ہیں جنکی عمر ۱۶، ۱۷ سال سے متجاوز ہے۔ ہر سال حرامی بچوں کی پیداوار ستر ہزار ہے۔ اور اوسطاً ہر چودھواں شخص حرامی ہے۔ ایک رپورٹ ۱۹۶۴ء کے مطابق نوے فیصد امریکی زنا اور ستر لاکھ افراد لواطت میں مبتلا ہیں۔ اور اب یہ تعداد جدیدہ ٹائم کے مطابق صرف سکول کے طلبہ اور طالبات میں پچاس فیصد سے ساٹھ فیصد تک پہنچ گئی ہے۔ اسقاطِ حمل اور برتھ کنٹرول کے ہزارہا مراحل سے چکمہ دے کر بھی امریکہ میں ایک سال ۱۹۵۷ء میں سترہ سال کے قریب عمر کی غیر شادی شدہ لڑکیوں سے ۴۴ ہزار ناجائز بچے پیدا ہوئے ایک اور رپورٹ کے مطابق ان لڑکیوں میں بیشتر ہائی اور جونیئر سکول کی بچیاں تھیں جن میں سے سب سے چھوٹی بچی بارہ سال کی تھی۔ امریکہ کے ایک فاضل رپورٹ نگار نے بڑی محنت اور تفتیش کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں امریکہ کا ہر ساتواں بچہ حرامی اور اس صدی کے اختتام تک ہر پانچواں بچہ ناجائز تعلق کا نتیجہ ہوگا۔

امریکہ میں دیگر جرائم میں صرف پانچ سال (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۵ء) میں ۴۶ فیصد اضافہ ہوا جبکہ آبادی صرف آٹھ فیصد بڑھی۔ اس فحاشی کے نتیجہ میں آتشک اور سوزاک کے مریضوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہے۔ کنسے رپورٹ کے مطابق شادی شدہ عورتوں اور مردوں کی اکثریت دوران ازدواج بھی دوسروں سے اختلاط کر رہی ہے۔ فرانس اور جرمنی وغیرہ میں مادر زاد برہنوں کے قلب تیزی سے قائم ہو رہے ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں صرف جرمنی میں اس کے ارکان کی تعداد چالیس ہزار تک

پہنچ چکی تھی ۱۹۲۵ء میں صرف ایک نیویارک شہر میں بازاری عورتیں پچپن لاکھ چالیس ہزار سات سو مردوں کے ہاتھ اپنی متاع عصمت فروخت کر چکیں شہوت رانی کی اس بے تحاشہ بھوک کا نتیجہ شہوانی جنون کی شکل میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اور شہوت رانی کیلئے مرد اور ہم جنس تو کیا حیوانات تک کی تمیز باقی نہیں۔ ہائیڈ پارک وغیرہ کے قریب ایسے کتا خانے قائم ہیں جن میں کتوں کو سدھایا جاتا ہے اور مردوں کے علاوہ صنف نسواں کے اعلیٰ گھرانے ان سے اپنی خبیث خواہشات پورا کرواتے ہیں۔ دیگر تعیشات اور زر و زن کی شہوت پرستی کا بھی یہی حال ہے۔ صرف امریکہ شراب نوشی پر سالانہ نو ارب پندرہ کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ پوری دنیا جوئے بازی پر سالانہ ایک سو تیس ارب اور سگریٹ نوشی پر ہر سال پچاس ارب باون کروڑ کی رقم خرچ کرتی ہے۔ برطانیہ کا سالانہ تفریحی خرچ ایک ارب باون کروڑ پونڈ ہے۔ حرص مال کی وجہ سے چوری، لوٹ اور ڈاکوں کی بھی یہی رفتار ہے۔ بعض شہروں میں تقریباً ہر منٹ میں ایک موٹر چوری ہوتی ہے۔ ۱۹۶۵ء میں امریکہ میں کاروں اور دوسری چوریوں میں جو لوگ ماخوذ ہوئے ان میں سے آدھی تعداد گیارہ سے ستر سال کی تھی ۔۔۔۔

چوری جیسی اخلاقی گراوٹ کا شکار صرف نچلا طبقہ نہیں بلکہ بڑے طبقہ کا بھی یہی حال ہے۔ ملکہ الزبتھ کی صرف ایک دعوت میں کئی ہزار برتن چوری ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ اس تقریب کے تمام شرکاء "شرفاء" اور "معززین" ہی ہوں گے۔ اس جوع البقری، وحشیانہ اور حیوانی جذبات کے نتیجہ میں پوری قوم تدبیر منزل کی بربادی، طلاق کی کثرت، آتشک، سوزاک، جنون، فتور عقل، قلبی امراض اور اعصابی تباہیوں میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اور پورا معاشرہ شہوات کی بھٹی میں جل رہا ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے ماہر امراض قلب اردن ایچ گیپ کی تحقیق میں دل کی تمام بیماریاں تباہ کن ذہنی الجھنوں اور ناجائز خواہشات کی بھرمار کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہیں۔ نفسیات کے مشہور عالم پروفیسر ینگ نے زندگی بھر کے تجربہ کی روشنی میں کہا کہ تمام روئے زمین کے تمام متمدن ممالک کے جتنے نفسیاتی مریضوں سے مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔۔۔ ان میں سے ہر شخص کی بیماری یہ تھی کہ اس نے وہ چیز کھو دی تھی جو کہ مذہب ہر دور میں اپنے پیروؤں کو دیتا رہا ہے۔ ان مریضوں سے کوئی اس وقت تک شفایاب نہ ہو سکا جب تک اس نے اپنا مذہبی تصور دوبارہ نہ پا لیا۔ اخلاق اور تصور آخرت سے خالی زندگی کا ایک ہولناک نتیجہ وہ ہے جو یورپ اور دیگر متمدن ملکوں میں خودکشی کی بڑھتی ہوئی تعداد کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنے ہاتھوں موت

کی آغوش میں چلے جارہے ہیں۔ اور افسوس کہ اس خدا بیزار تہذیب اور قوت شہوت کی بیدردی سے استعمال کے شوق میں آج پوری اسلامی دنیا بھی اس اخلاقی اور جسمانی و روحانی ہلاکت کی طرف دوڑتی چلی جارہی ہے — ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس ۔ اور بقول اقبال ؒ

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ضمیر پاک وخیال بلند و ذوق لطیف

قوت غضبیہ کی اصلاح | انسان کے اخلاق کا تیسرا سرچشمہ قوت غضب ہے، یعنی طبیعت کو ناگوار اور نامناسب امور پیش آنے پر اسکی مدافعت کی طاقت ، قوت شہوت کی طرح شریعت نے اسے بھی اعتدال میں رکھا جس کا ثمرہ شجاعت جیسی بہترین کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جو خودداری ، دلیری، حق گوئی ، بلند ہمتی ، استقلال ، استقامت ، وقار ، صبر و سکون ، مطالبۂ حق اور جہاد جیسی خوبیوں کی بنیاد ہے۔ اس کا افراط تہور یعنی غرور ، نخوت ، سنگدلی ، خود پرستی ، تکبر ، ظلم ، قتل نفس ہے اور تفریط ذلت پسندی ، خساست ، بزدلی ، خوف اور دناءت جیسے اخلاق ذمیمہ ہیں۔ دیگر مذاہب میں اس قوت کے ساتھ بھی میانہ روی اور اعتدال کا معاملہ نہیں کیا گیا تھا۔ شریعت موسوی پر عدل یعنی قانون ، سزا اور انتقام کا سایہ چھایا ہوا تھا ، اور شریعت عیسوی پر عفو و احسان کا — یعنی ہر ناگوار حالت کو خاموشی سے برداشت کیا جائے — حضرت عیسیٰؑ کی یہ نصیحت انجیل میں موجود ہے کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا گال اس کے سامنے کردو۔ گوتم بدھ اور گاندھی کے فلسفہ عدم تشدد پر بھی اسی وصف کا غلبہ تھا۔ موسوی شریعت پر تشدد کا رنگ غالب ہوا اور آج کی تورات میں بھی بنی اسرائیل کا عورتوں اور بچوں تک کو گرفتار کرنے ان کی آبادیوں کو جلانے اور حضرت موسیٰؑ کو تمام عورتوں کے زندہ چھوڑنے پر غصہ کرنے اور مقابل کے تمام بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے کے احکام موجود ہیں۔[۱]

قرآن کریم نے قوت غضب کو افراط و تفریط سے ہٹا کر شجاعت کے نقطہ اعتدال پر مرکوز کر دیا اس نے عدل (قانون) کے ساتھ احسان (عفو و کرم) کو جمع کر کے شریعت موسیٰ اور شریعت عیسیٰؑ دونوں کی خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹ کر اس قوت غضبانی کو قبائلی خانہ جنگی ، جاہلانہ جذبۂ انتقام ، ظلم اور باہمی حقوق کی پائمالی ، قتل و قتال کی بجائے اعلاء کلمۃ اللہ ، جہاد ، مظلوم کی حمایت اور نفس کی

---

[۱] تورات، باب ۳۱ درس ۷ تا ۳۵

سرکوبی کیطرف پھیر دیا اور اب اس کا مصرف ہوسِ ملک گیری، لوگوں کو محکوم بنانا، اور ان کا مال و عزت لوٹنا نہیں رہا بلکہ عالم کا تمام شر و فساد سے خالی کرنا اور اپنے نفس کو آلائشوں سے پاک و صاف کرنا ہوگیا اس کے نزدیک مسلمان دشمنوں کے مقابلہ میں سراسر غضب، شدّت اور اپنوں کیلئے سراپا رحمت و راحت ہے۔ مومنین کا وصف اشدّاء علی الکفار رحماء بینھم اور اذلۃ علی المومنین واعزۃ علی الکافرین۔ ہے۔ سختی کی جگہ نرمی اور شدت کی جگہ احسان اور عفو اختیار کرنا فطرتِ انسانی اور حکمتِ ربانی کے خلاف ہے وہ ایسے مواقع پر غلظت اور سختی کی تلقین کرتا ہے۔

یاایھاالنبیّ جاھد الکفار والمنٰفقین	اے پیغبر! ان کافروں اور منافقوں سے جہاد
واغلظ علیھم ومأواھم جہنم۔	کر اور ان پر سختی کر انکی جائے پناہ دوزخ ہے۔
یاایھاالذین اٰمنوا قاتلوا الذین	اے مومنو! ان کافروں سے جہاد کرو جو تمہارے
یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم	ہم سرحد ہیں اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر
غلظۃ۔	سختی پائیں۔

اور یہ کفار اس وجہ سے اس سختی کے مستحق ہیں کہ ان کے ظلم و فساد اور اخلاقی اور اعتقادی خرابیوں کی وجہ سے دنیا شر سے بھر گئی ہے۔

اُذِن للذین یقاتلون بانھم ظلموا۔	کفار اس سختی اور جہاد کا مصرف اس وقت تک
.....	ہیں جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔

حضورؐ کا ارشاد ہے:

اُمرتُ اَنْ اقاتل الناس حتّٰی یقولوا	مجھے لڑنے کا حکم ہے۔ اور جب ایمان لائیں
لا الٰہ الااللّٰہ واذا قالوا	تو ان کا خون اور مال محفوظ ہو جائے گا۔
عصم منی دماءھم واموالھم۔	.....

پھر اس سختی کے استعمال اور عین جہاد کی حالت میں بھی اخلاقِ فاضلہ رحمدلی شفقت علی الخلق کے تقاضوں کو ملحوظ رکھا۔ عورتوں نابالغ بچوں اور مریضوں، عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے راہبوں اور اسلحہ رکھنے والوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا ـــــ عمارتوں کی بربادی، کھیتوں کا جلانا، مردوں کی تحقیر، اور ان کے مثلہ بنانے سے روک دیا۔ دشمن کے اسیروں اور زخمیوں سے حسن سلوک کی تلقین کی جسکی بہترین مثالیں غزوات نبوی اور فتح مکہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ قرآن کریم کے بیشمار

مقامات میں دشمن کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین موجود ہے۔ اور جنگ کے بعد زیر معاہدہ اقوام کی پوری حفاظت و رعایت کی تاکید کی گئی ہے۔

اور جہاد کی کامیابی کا راز بھی بہترین اخلاق ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کے استحضار اطاعت و انقیاد، اتحاد و اتفاق صبر پر مداومت اور تکبر غرور سے احتراز کو بتایا گیا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ	اے ایمان والو! جب تم کسی فوج سے مقابلہ کرو
فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم	تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ
تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ	تم کامیاب ہو جاؤ اور اللہ اور اس کے رسول
ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب	کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو۔ پس نامرد ہو
ریحکم واصبروا ان اللہ	جاؤ گے اور ہوا اکھڑ جائے گی تمہاری اور صبر
مع الصٰبرین۔	کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس غلظت اور شدت کا مقصد یورپ جیسی ہوس ملک گیری اور استعماری عزائم کی تکمیل نہیں بلکہ مسلمانوں کے سفیر ربعی بن عامرؓ کے الفاظ میں یہ ہے کہ "لوگوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی دنیا کی تنگی سے رہائی دیکر اسکی وسعت کی طرف اور مذہب کے جور و ستم سے نجات دیکر اسلام کے عدل و انصاف کی طرف لایا جائے"[1] قوتِ غضب کا رخ خارجی دشمن کے علاوہ اندرونی دشمن کیطرف بھی موڑ دیا گیا نفس انسانی جو سرکشی اور خرابی کا سرچشمہ ہے، اسلام نے اس کے مقابلہ اور مقاومت کو جہاد اکبر قرار دیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

ان اعدیٰ عدوک نفسک التی	تیرا بدترین دشمن تیرا نفس ہے، جو تمہارے
بین جنبیک۔	پہلو میں ہے۔

فرمایا پہلوانی یہ ہے کہ اپنے نفس کو غضب کے وقت قابو میں رکھا جائے۔

لیس الشدید بالصرعۃ انما	دوسروں کو پچھاڑنا پہلوانی نہیں؛ پہلوان وہ
الشدید من یملک نفسہ	ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو تھام
عند الغضب۔	سے۔

ان خارجی اور داخلی دشمنوں کے علاوہ ہر ناجائز محل میں اس قوت کی غلط استعمال اور اس کو برانگیختہ کرنے

---

[1] البدایۃ والنہایۃ

والے تمام اسباب کا سختی سے سدِ باب کرکے ہر قسم کے ظلم و فساد و قتل و خونریزی کو حرام قرار دیا گیا۔

ومن یقتل مومناً متعمداً فجزائہ	جو شخص جان بوجھ کر کسی کو ناحق قتل کردے
جھنم خالداً فیھا وغضب اللہ	اسکی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور
علیہ ولعنہ واعد لہ عذاباً الیما۔	اس پر اللہ کا غضب اور لعنت ہوگی اور خدا

نے اس کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

کسی کا ناحق قتل ساری دنیا کی تباہی کے برابر ہے۔

ومن قتل نفساً بغیر نفس اوفساد	اور جو شخص کسی کو قتل اور فساد کرنے کے بغیر جان
فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا و	سے مار ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کا
من احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا	خون کیا اور جو کسی مسلمان کی جان بچائے گا تو گویا
	اس نے تمام مسلمانوں کی جان بچائی۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ اگر کسی مسلمان کے قتل میں بالفرض آسمان و زمین کی تمام مخلوق شریک ہو جائے تو خدا سب کو دوزخ میں ڈال دے گا۔

اوروں کے علاوہ اپنا نفس قتل کرنا بھی حرام اور جہنم جانے کا مستحق جرم ہے۔ بخاری شریف میں حضورؐ سے روایت ہے کہ اگر کسی نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے یا زہر کھانے یا خنجر وغیرہ سے قتل کیا تو اسے جہنم میں ڈال دیگا۔ اور وہ ہمیشہ اسی اذیت ناک حالت میں مبتلا رہے گا۔ ہر اس چیز کو حرام کر دیا گیا جس سے غضب انسانی بھڑکتا اور لوگوں پر ظلم و فساد کی نوبت آتی ہو۔ مسلمانوں کو دوسروں کی ہتک آمیزی اور آبرو ریزی سے منع کرتے ہوئے ان تمام اسباب کا قلع قمع کیا جو آگے چل کر باہمی فساد اور معاشرہ کی بربادی کا باعث ہو۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لایسخر قوم من	اے ایمان والو! لوگ ایک دوسرے کا مذاق نہ کریں
قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم	شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور نہ عورتیں دوسری
ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن	عورتوں سے شاید وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب
خیرا منھن ولا تلمزوا انفسکم ولا	نہ لگاؤ ایک دوسرے پر، اور ایک دوسرے کو چڑانے
تنابزوا بالالقاب بئس الاسم	کے لئے نام نہ ڈالو برا نام ہے گنہگاری ایمان
الفسوق بعد الایمان ومن لم	لانے کے بعد اور جو لوگ توبہ نہ کریں پس وہی
یتب فاولئک ھم الظالمون۔	لوگ ظالم ہیں۔

سوء ظن غیبت تجسس کسی کی برائیاں ڈھونڈنا سب حرام ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ واتقوا اللہ ان اللہ تواب رحیم۔ ......

اے ایمان والو! بہت بدگمانی سے بچتے رہو بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور بھید مت ٹٹولو اور ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برا مت کہو۔ بھلا تم میں سے کسی کو اچھا لگتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے برا سمجھو گے اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

گالی گلوچ خواہ کافروں اور ان کے معبودات باطلہ کو کیوں نہ ہو ناجائز ہے۔

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔

تم کفار کے بتوں اور معبودات باطلہ کو گالی مت دو ورنہ وہ اللہ کو بغیر علم کے برا کہنے لگیں گے۔

احادیث میں حضورؐ نے مردوں اور اسیطرح دن رات چاند سورج وغیرہ جمادات و نباتات کو گالی دینے سے بھی منع فرمایا۔ اصلاح معاشرہ اور اخلاق قبیحہ سے بچنے کیلئے مذکورہ آیات کی تعلیمات کو حضور اقدسؐ نے ایک جامع ارشاد میں اس طرح جمع فرما دیا ہے جس کا خلاصہ یہی ہے کہ دوسرے کا مال، عزت، جان اور آبرو سب حرام ہیں۔

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا کما امرکم اللہ المسلم اخو المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ وعرضہ ومالہ ان اللہ لا ینظر الی اجسادکم ولا الی صورکم واعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم (صحاح ستہ)

تم بدگمانی سے بچتے رہو۔ بدگمانی بہت بری اور جھوٹی بات ہے۔ کسی کا بھید مت ٹٹولو اور کسی مسلمان کا مقابلہ مت کرو۔ اور آپس میں حسد اور بغض مت رکھو اور مسلمانوں سے روگردانی مت کرو اللہ کے بندے ہو کر آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو جیسے اللہ کا حکم ہو، ہر مسلمان دوسرے کا بھائی ہے ہر ایک پر دوسرے مسلمان کا خون مال اور عزت و آبرو حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ظاہری شکل و شباہت جسم اور اعمال کو نہیں بلکہ وہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

قوت غضبیہ کو ابھارنے والے تمام اسباب کا تدارک کیا گیا۔ تکبر فتنوں کی جڑ ہے۔ قرآن کریم متکبر کو راندۂ درگاہ

اور مبغوض قرار دیتا ہے۔ ان اللّٰہ لا یحب کل مختال فخور۔ اللہ تعالیٰ اپنے کو دوسرے مسلمان سے اونچا سمجھنے والے اور بڑائیاں جتلانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح جھوٹ اور چغلی قوت غضبیہ کے ابھارنے کا سبب بن جاتی ہے۔ اسلام اور قرآن نے دونوں پر سخت وعید فرمائی ہے۔

اس کے مقابلہ میں قوت غضبیہ میں موجودہ اقوام یورپ کی بے اعتدالی اور افراط کے ہولناک نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ صرف ایک لڑائی جنگ عظیم میں اتحادی طاقتوں کی کل فوج چار کروڑ اکیس لاکھ اٹھاسی ہزار آٹھ سو دس میں سے اکاون لاکھ ستاون ہزار تین سو پندرہ انسان قتل ایک کروڑ اٹھائیس لاکھ اکتیس ہزار چار افراد زخمی، اکتالیس لاکھ اکتالیس ہزار نو سے افراد قیدی اور لاپتہ ہو گئے۔ اتحادیوں کی حریف طاقتوں کی کل فوج میں پون لاکھ چار ہزار چار سو ستتر افراد ہلاک اور زخمی ہوئے۔ مجموعی طور پر تین کروڑ چار لاکھ ننانوے ہزار تین سو افراد جنگی تباہی کا شکار ہوئے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے ۵٫۶ فیصد ہلاکت زدہ ہوئے۔ ڈاکٹر از مسٹر مغربی جرمنی کی رپورٹ کے مطابق گذشتہ جنگ عظیم میں ساڑھے چھ کروڑ افراد مقتول و مجروح ہوئے اس جنگ میں جو دولت صرف ہوئی اگر وہ اس وقت کی ڈھائی ارب پوری انسانی آبادی پر تقسیم کر دی جاتی تو فی کس ڈھائی سو ماہوار کے حساب سے پوری دنیا کیلئے ایک سو سال تک کافی ہوتی۔ کوریا کی معمولی لڑائی میں پچاس لاکھ مرد عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔ جنگ عظیم کے دوران صرف ایک ایٹم بم سے پورے ہیروشیما کی آبادی تودۂ خاک بن گئی جس نے ہر چیز کو جلا دیا اور سو میل تک اس کے اثرات پھیل گئے۔ قوت غضبانی کے افراط کا نتیجہ ہے۔ کہ آج امریکہ کی ہوس ملک گیری کے ہاتھوں پورا ویت نام بھی جل رہا ہے۔ ہر سال اربوں روپیہ انسانی بربادی پر بلا وجہ ضائع ہو رہا ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق امریکہ ہر ماہ ۲۰ ملین یعنی ۲۲ ہزار ملین ڈالر اس جنگ پر خرچ کر رہا ہے اور ایک شخص کے قتل پر بعض اوقات اسے ۲۰ لاکھ روپے خرچ کرنے پڑتے ہیں یہ تو امریکہ سے باہر کی حالت ہے۔ خود امریکہ کے اندر قتل و قتال اور ظلم و بربریت کی حالت بھی اس سے کم نہیں۔ اس کا اندازہ اس تازہ ترین رپورٹ سے ہو سکتا ہے۔ کہ ۱۹۰۰ء سے لیکر اب تک ساڑھے سات لاکھ امریکن خود ایک دوسرے کی گولیوں کا نشانہ بن چکے ہیں۔ امریکہ میں اوسطاً ہر سال سترہ ہزار شہری گولیاں کھا کر دم توڑ دیتے ہیں، یعنی پچاس افراد یومیہ۔ اور دوسرے حساب سے ہر آدھ گھنٹے میں ایک قتل ہوتا ہے۔ ۱۸۶۵ء سے اب تک امریکہ کے ۱۱ میں سے سات صدروں کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی ہے ــــــ

(باقی آئندہ)

بسلسلہ صغر سنی کی شادیاں اور اسلام
آخری قسط

حضرت مولانا امین الحق صاحب خطیب شیخوپورہ

رسول کریمؐ سے نکاح کے وقت

حضرت عائشہؓ کی عمر

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ایسی خبر واحد جو مقرون بالقرائن ہے۔ مفید علم ہے۔ اور اسکی قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ جس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔ اور وہ حد تواتر تک نہیں پہنچتی مگر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی جلالت شان اور دوسرے حضرات ائمہ حدیث کے مقابلہ پر صحیح کی تمیز میں ان کا تقدم اور ان کی کتابوں کا اہل علم کی طرف سے تلقی بالقبول بخاری اور مسلم میں مذکورہ حدیث کیلئے مفید علم قرائن ہے۔ ائمہ حدیث کا بخاریؒ اور مسلمؒ کی کتابوں کو صحیح اور ثابت کی حیثیت سے تسلیم اور قبول کرنا خود افادہ علم میں محض کثرت طرق سے زیادہ قوی ہے[1]

حافظ ابن الصلاحؒ اپنی کتاب علوم الحدیث ص۲۴ میں لکھتے ہیں۔ "جس حدیث پر بخاریؒ اور مسلمؒ کو اتفاق ہے اس کی صحت قطعی ہے اور ایسی حدیث سے علم یقینی نظری حاصل ہوتا ہے۔ اس لئے کہ امت کو بخاریؒ اور مسلمؒ کی حدیثوں کی صحت اور ثبوت پر اجماع ہے۔ اور امت اجماع میں خطا سے معصوم ہے۔" اور صرف ابن الصلاحؒ نے ایسا نہیں کہا ہے، بلکہ حفاظ کی ایک جماعت نے جیسے ابی اسحق الاسفرائینیؒ اور ابی حامد الاسفرائینیؒ اور قاضی ابی الطیبؒ اور شیخ ابی اسحق شیرازیؒ اور امام سرخسیؒ، قاضی عبدالوہاب مالکیؒ، ابی یعلیٰؒ اور ابی الخطابؒ اور ابن الزاغونیؒ میں اور ابن فورک اور اکثر اہل کلام اشعریہ سے اور کل اہل حدیث کو حافظ ابن الصلاحؒ کے ساتھ اتفاق ہے۔ کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثیں قطعی صحیح اور علم یقینی نظری کو مفید ہیں۔[2]

---

[1] الحدیث والمحدثون ص۲۹۰ — [2] توجیہ النظر ص۱۲۷

ائمہ حدیث کی مذکورہ تصریحات کے ہوتے ہوئے کالج کے اسلامیات کے صدر محترم نے علی الاطلاق خبر واحد کو مفید ظن بتلانے میں سراسر غلطی کی ہے۔ بلکہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی حدیثیں اور جو محتف بالقرائن ہیں قطعی صحیح اور علم یقینی نظری کو مفید ہیں۔

حدیث عائشہؓ پر تنقید | صدر محترم عمر احمد صاحب بخاری اور مسلم میں مذکورہ حدیث عائشہؓ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ (اس کے بعد جب ہم حضرت عائشہؓ کی اس روایت کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو یہ روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ٹھہرتی۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضور اکرمؐ کا نکاح سنہ ۱۳ بعثت میں ہوا تھا کیونکہ مشہور قول کے مطابق بعثت کے بعد تیرہ سال تک آنحضرتؐ مکہ میں رہے اور ہجرت سے تین سال پہلے حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا یعنی سنہ ۱۰ نبوت میں۔ اور دو سال تک آپ نے شادی نہیں کی۔ لہذا سنہ ۱۲ نبوۃ میں ہجرت سے ایک سال پہلے جب آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے نکاح فرمایا۔ تو اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال تھی یعنی حضرت عائشہؓ کی پیدائش سنہ ۶ نبوت میں ہوئی تھی لیکن یہ بات بوجوہ غلط ہے۔

پہلی وجہ ـــــ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس کی تردید خود بخاری ہی کی ایک روایت سے ہو جاتی ہے جس میں خود حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں۔ کہ جب نبی کریمؐ پر مکہ میں بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ سورۃ القمر کی آیات نازل ہوئیں تو میں ان دنوں بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔ سورۃ القمر تقریباً سنہ ۵ نبوۃ میں نازل ہوئی تھی۔ اگر سنہ ۵ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ بچی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں تو ان کی پیدائش سنہ ۶ نبوۃ میں کیسے ہو سکتی ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ۵ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کی عمر کم از کم پانچ چھ سال کی ہو گی۔ کیونکہ اس سے کم عمر میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کھیلتی پھرتی ہوں۔ اور یہ سمجھ سکتی ہوں کہ یہ قرآن کریم کی آیات ہیں۔ اور بعد میں یہ واقعہ انہیں یاد بھی رہا ہو۔[1]

نوویؒ نے تہذیب الاسماء واللغات میں لکھا ہے کہ ہجرت سے دو یا تین سال قبل حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا تھا۔ اور اسی طرح حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ سنہ ۱۰ نبوۃ میں ہجرت سے تین سال قبل حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا تھا۔ــ

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے سن میں مختلف اقوال ہیں۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ معمر ابن المثنی کہتے ہیں کہ ہجرت

---

[1] ماہنامہ فکر و نظر مارچ ۱۹۹۲ء صفحہ ۳۴

سے پانچ سال قبل حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی ہے۔ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں۔ ہجرت سے تین سال پیشتر حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی ہے۔ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ نبوۃ کے سات سال بعد حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کے ترجمہ میں حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد اور ہجرت سے دو یا تین سال قبل چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح ہوا تھا۔

احمد ابن زبیرؒ فرماتے ہیں حضرت عائشہؓ کے اس ارشاد سے ابوعبیدہؒ کا یہ قول صواب ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہجرت سے پانچ سال قبل حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی ہے۔ اور اسی طرح حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں حضرت خدیجہؓ کی وفات کے سن کے بارہ میں مختلف اقوال لکھے ہیں۔ ابوعبیدہؒ اور ابن شہاب زہریؒ کے مذکورہ بیان کے مطابق حضرت خدیجہؓ کی وفات سنہ ۱۰ نبوۃ ثابت ہوتی ہے۔ اور حضرت عائشہؓ کے ساتھ رسالت مآبؐ کا نکاح دو سال کے بعد سنہ ۱۰ نبوۃ میں ہوا ہے۔

شعبۂ اسلامیات کے محترم صدر کا یہ کہنا کتنا عجیب ہے کہ سنہ ۱۲ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا تھا اور جب حضرت عائشہؓ کا یہ بیان بار بار ائمہ حدیث اور حفاظ روایت نے معتمد رواۃ کی روایت سے ظاہر فرمایا ہے کہ چھ سال کی عمر میں ہجرت سے تین سال پیشتر اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المؤمنینؓ کا نکاح ہوا تھا، تو پھر ادھر ادھر کی بے جوڑ باتوں سے صدر محترم سنہ ۱۲ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کیلئے اور سنہ ۴ نبوۃ میں ام المؤمنینؓ کی ولادت کیلئے بے معنی کھینچ تان کی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ صدر محترم کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ سورۃ القمر تقریباً سنہ ۵ نبوۃ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت عائشہؓ کی پیدائش سنہ ۴ نبوۃ میں ہوئی ہے۔

علامہ آلوسیؒ[1] اور حافظ ابن حجرؒ[2] لکھتے ہیں کہ شق القمر کا واقعہ تقریباً ہجرت سے پانچ سال قبل واقع ہوا ہے۔ ہجرت سے پانچ سال قبل صدر محترم کے کسی حساب میں سنہ ۵ نبوۃ ہوتا ہو تو ہوگا، مگر عام لوگوں کی زبان اور حساب میں ہجرت سے پانچ سال قبل کا سنہ ۸ نبوۃ ہوتا ہے۔ یا اس کے بعد سنہ ۹ نبوۃ بھی ممکن ہے اور حضرت عائشہؓ کی ولادت کے متعلق طبقات ابن سعد میں

---

[1] روح المعانی سورۃ القمر [2] فتح الباری ج ۷ باب سوال المشرکین ان یریہم النبیؐ۔

اسطرح مذکور ہے کہ سنہ ۳ نبوۃ کے بعد نبوۃ کے چوتھے سال کی ابتداء میں حضرت عائشہؓ کی ولادت ہوئی ہے۔ اور دوسرے حضرات نے سنہ ۴ نبوۃ کے بعد نبوۃ کے پانچویں سال میں حضرت عائشہؓ کی ولادت بتلائی ہے۔ ان دونوں قول کے مطابق سنہ ۱۰ نبوۃ میں نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال یقیناً پوری ہوتی ہے۔ جیساکہ حضرت عائشہؓ کا بیان بخاریؒ مسلمؒ اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت آپکی عمر چھ سات سال تھی۔ جب معتمد اور ثقہ رواۃ سے حضرت عائشہؓ کا مذکورہ بیان ثابت ہوتا ہے۔ تو صدر محترم کو سنہ ۴ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کی ولادت اور سنہ ۱۰ نبوۃ میں آپ کے نکاح کو بتلانے میں کیوں اصرار ہے اور کیا فائدہ ہے۔

مقالہ نگار کا بے جا تعجب صدر محترم نے سنہ ۶ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کی ولادت کا اختراع کیا اور اس کے ساتھ سنہ ۸ نبوۃ میں سورۃ قمر کا نزول تراشا ہے اور اس پر یہ تفریع کر دی کہ سنہ ۸ نبوۃ میں سورۃ قمر کے نزول کے وقت حضرت عائشہؓ بچی تھیں اور کھیلتی پھرتی تھیں اور یہ سمجھ سکتی تھیں کہ آپ نے قرآن شریف کی آیات سنی ہیں اور یہ واقعہ یاد رہا ہے۔ یہ تمام مقدمات اپنی جگہ غلط ہیں۔ سنہ ۶ نبوۃ میں حضرت عائشہؓ کی ولادت نہیں ہوئی اور سنہ ۸ نبوۃ میں سورۃ قمر کا نزول نہیں ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی ولادت سنہ ۳ نبوۃ کے بعد سنہ ۴ نبوۃ میں ہوئی یا سنہ ۵ نبوۃ میں ہوئی ہے اور سورۃ قمر کا نزول ہجرت سے تقریباً پانچ سال پیشتر سنہ ۸ نبوۃ کے اخیر یا سنہ ۹ نبوۃ کی ابتداء میں ہوا ہے۔ سنہ ۸ نبوۃ یا سنہ ۹ نبوۃ سورۃ قمر کے نزول کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر تقریباً پانچ سال کی ہونی چاہیے۔ ایسی عمر میں بچوں کے کھیلنے پر کیا تعجب ہوتا ہے۔ اور سورۃ قمر کی آیات یاد رہنے پر کیوں تعجب کیا جائے جبکہ آپ کو اپنے کھیلنے کا وقت یاد رہا۔ نیز بخاری کی جس حدیث کا صدر محترم نے اس غرض کیلئے حوالہ دیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سورۃ قمر کی مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور میں بچی تھی، کھیل رہی تھی، ام المومنینؓ کے اس بیان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ظاہر اور ثابت کیا ہے کہ سورۃ قمر کی آیات کے نزول کے وقت حضرت عائشہؓ وہاں موجود تھیں اور انہوں نے ان آیات کو خود سنا ہے، بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ ام المومنینؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے والد ابوبکر صدیقؓ سے بطور مرسل کے یہ روایت کیا ہو کہ سورۃ قمر کی مذکورہ آیات مکہ میں اتری ہیں اور میں اس وقت بچی تھی کھیلتی تھی۔ جیساکہ حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ سے بخاری میں شق القمر کے واقعہ کی روایت مذکور ہے۔ مگر

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر چار پانچ سال کی تھی اور آپ مدینہ منورہ میں تھے۔
اور حضرت ابن عباسؓ کی ابھی ولادت بھی نہیں ہوئی تھی، مگر بطور مرسل کے ان دونوں حضرات صحابہؓ
نے شق القمر کا واقعہ روایت کیا ہے۔ اگر صدر محترم کو حضرت ابن عباسؓ کی اور حضرت انسؓ کی اس
روایت پر اعتراض نہیں ہے کہ ابن عباسؓ نے اپنی پیدائش سے پہلے کے واقعہ کو کیسے روایت
کیا اور جس واقعہ کے وقت حضرت انسؓ کم سن تھے۔ اور موجود نہیں تھے۔ اس کو حضرت انسؓ
کیسے بیان کر سکتے ہیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے اپنی کمسنی کے کسی واقعہ کو مذکورہ حضرات صحابہؓ کی
طرح اگر بطور مرسل روایت کیا ہے تو اس پر تنقید اور اعتراض کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حدیث پر تنقید کی دوسری وجہ | حضرت عائشہؓ کے اس واقعہ پر کہ رسالت مآب سے آپ کا
نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا تھا۔ صدر محترم کی تنقید کی پہلی وجہ آپ نے پڑھ لی ہے۔ اب صدر محترم
کی تنقید کی دوسری وجہ بھی پڑھ لیجئے۔ صدر محترم لکھتے ہیں حضرت عائشہؓ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے
عمر میں پانچ سال چھوٹی تھیں۔ تعمیر کعبہ کے سال حضورؐ کی پینتیس سال کی عمر میں حضرت فاطمہؓ کی پیدائش
ہوئی ہے۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا خانہ کعبہ کی تعمیر کے سال نبوۃ
سے پانچ سال قبل حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ہوئی تھی۔ اور حضرت علیؓ کی ولادت اس سے پہلے
ہوئی ہے۔ اور اس کے آگے حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے عنوان کے تحت صدر محترم لکھتے
ہیں (لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مذکورہ بیانات سے بھی خود حضرت فاطمہؓ اسکی مدعی
ہیں کہ ان کی عمر حضرت علیؓ سے زیادہ تھی۔ حضرت علیؓ کی عمر بعثت کے وقت بالاتفاق دس سال تھی
اور محمد بن سائب کلبی کے قول کے مطابق حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات پینتیس سال کی عمر میں ہوئی ہے۔
اس حساب سے آپ کی پیدائش بارہ سال قبل از نبوۃ ہو جاتی ہے اور کلبی کی اس روایت سے حضرت
فاطمۃ الزہراؓ کے اس بیان کی توثیق اور تائید ہو جاتی ہے۔له

صدر محترم مذکورہ تفصیل میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت نبوۃ سے
پانچ سال قبل ہوئی اور حضرت عائشہؓ آپ سے پانچ سال عمر میں چھوٹی تھیں۔ اس لئے حضرت عائشہؓ
کی ولادت سنہ نبوۃ میں ہونی چاہئے۔ یا حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت بارہ سال قبل از نبوت ہوئی
ہے۔ اور حضرت عائشہؓ پانچ سال عمر میں آپ سے چھوٹی تھیں اس لئے حضرت عائشہؓ کی ولادت

له فکر و نظر مارچ ۱۹۶۳ء ص ۳۸۱

چھ سات سال قبل از نبوۃ ہونی چاہئے۔ اور اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت بارہ سال یا اٹھارہ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت سترہ یا انیس سال آپ کی عمر ہونی چاہئے۔ اہل علم کیلئے اس سے زیادہ عجوبہ چیز دوسری نہیں ہے کہ محمد بن سائب کلبی اور طبقات ابن سعد کی مکذوبہ روایات کی بدولت بخاریؒ اور مسلمؒ کی روایتوں پر صدر محترم نے تنقید کرنے کی مثال قائم کی ہے۔

محترم صدر نے طبقات ابن سعد سے جن روایتوں کا ذکر کیا ہے، ضروری ہے کہ ان روایتوں کی سند کے رواۃ پر تحقیق کی جائے تاکہ آپ خود یہ فیصلہ کر سکیں کہ ایسے مذکورہ رواۃ کی روایات پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسے مجروح رواۃ کی روایات کے مقابلہ پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے معتمد ثقہ متقن رواۃ کی روایات کا چھوڑنا معقول ہونا چاہئے ---- حضرت عباسؓ کے نام سے محترم صدر نے جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ طبقات ابن سعدؒ میں ذیل کی سند سے مذکور ہے۔

اخبرنا محمد بن عمر حدثنا ابی بکر بن عبد اللہ بن ابی سبرۃ عن یحیی بن شبل عن ابی جعفر

حضرت ابن عباسؓ کے اثر کی سند میں یہ مذکورہ رواۃ ہیں۔ ان میں سے آپ ایک ایک کو پڑھیئے۔ مذکورہ سند میں پہلا راوی محمد بن عمر واقدی ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں واقدی کذاب ہے۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں واقدی ثقہ نہیں ہے۔ بخاریؒ اور ابو حاتمؒ فرماتے ہیں۔ واقدی متروک ہے۔ امام نسائی ابن المدینیؒ فرماتے ہیں واقدی وضاع ہے، روایتیں گھڑتا ہے۔[۲]

حافظ ابن تیمیہؒ نے الصارم المسلول میں لکھا ہے واقدی جب کسی روایت میں منفرد ہوتا ہے تو وہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ دوسرا راوی اس روایت میں ابوبکر بن عبد اللہ ہے۔ بخاریؒ نے کہا ہے ابوبکر بن عبد اللہ ضعیف ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ابوبکر بن عبد اللہ وضاع ہے روایتیں گھڑ لیتا ہے۔ نسائیؒ فرماتے ہیں متروک ہے ابن معینؒ فرماتے ہیں اسکی روایت کوئی شے نہیں ہے۔[۳]

اور اس روایت کا تیسرا راوی یحیی بن شبل مجہول ہے۔ کیا جس روایت کے رواۃ جھوٹے وضاع اور مجہول ہیں ایسے رواۃ کی روایت پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے پانچ سال قبل از نبوۃ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی پیدائش نکالی ہے اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو غرض تھا کہ آپ حضرت علیؓ

---

[۱] فکر و نظر ص ۲۳ [۲] میزان الاعتدال [۳] میزان الاعتدال

سے عمر میں بڑھی ہیں۔ اور سنہ قبل از نبوۃ حضرت علیؓ کی ولادت سے پہلے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت ہو چکی تھی۔ اور کیا اس قسم کے وضاع اور کذاب اور مجہول رواۃ کی روایت کو یہ مقام دیا جاسکتا ہے کہ اسکی مدد سے بخاری اور مسلم کی روایت پر تنقید کی جائے اور بخاری اور مسلم کی روایت کے مقابلہ پر اسکو ترجیح دی جائے۔ جس روایت کو صدر محترم نے اپنے ثبوت میں نقل کیا، اور اس میں حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا بیان مذکور تھا اس جھوٹی اور خانہ ساز روایت کی حقیقت آپ نے پڑھ لی ہے۔ صدر محترم نے محمد بن سائب کلبی کے بیان کو کہ پچیس سال کی عمر میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات ہوئی ہے۔ اور بارہ سال قبل از نبوۃ آپ کی ولادت ہوئی ہے، اپنی تائید میں نقل کر دیا ہے۔ اس لئے ہمیں محمد بن سائب کلبی کی شخصیت معلوم کرنی ضروری ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کلبی کی روایت سے بچتے رہو اور میں اسکی روایت کو اس لئے لیتا ہوں کہ میں اس کے جھوٹ اور سچ کو جانتا ہوں ابن معینؒ اور امام مہدیؒ نے کلبی کی روایت کو چھوڑ دیا ہے۔ یزید بن زریع فرماتے ہیں کلبی سبائی ہے۔ اعمشؒ فرماتے ہیں فرقہ سبائیہ سے بچو ان کو لوگ کذابین کے نام سے جانتے ہیں۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کلبی سبائی ان لوگوں میں سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے وفات نہیں پائی ہے۔ دنیا میں واپس آنے والے ہیں۔ ابو عوانہؒ فرماتے ہیں مجھ سے کلبی نے کہا جبرئیلؑ حضورؐ کے پاس وحی لائے تھے۔ مگر رسالت مآبؐ خلا تشریف لے گئے تھے تو جبرئیل نے حضرت علیؓ کو وحی سنا دی۔ امام جوزجانیؒ وغیرہ حضرات نے کہا کلبی جھوٹا ہے۔ دار قطنیؒ کہتے ہیں کلبی متروک ہے اور دین میں اس کا مسلک اور اس کا جھوٹ اس قدر ظاہر ہے کہ اس کے بیان اور وصف کی ضرورت نہیں ہے۔

شعبۂ اسلامیات کے محترم صدر کے ممدوح کلبی کے یہ ذمائم اہل علم نے بیان فرمائے ہیں کیا اسکی روایت قابل اعتماد ہو سکتی ہے۔ اور صدر محترم کی تحقیق اور مطالعہ کا عزیز اور گرانقدر سرمایہ محمد بن سائب کلبی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قماش کے انسان کی روایت کی مدد سے بخاریؒ اور مسلمؒ کی صحیح اور ثابت روایات پر تنقید کرنا کالج کے شعبۂ اسلامیات کے صدر کا بڑا ظلم اور ناحق شناسی ہے۔ کوئی دانا انسان شعبۂ اسلامیات کے صدر کی مذکورہ روایات پر اعتماد نہیں کرے گا۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت | حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں ابن السراج نے فرمایا میں نے

عبداللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر ہاشمی سے سنا فرماتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۴۱ھ میں حضرت فاطمۃ الزہرا کی ولادت ہوئی ہے۔ اور نووی نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد ۳ھ میں حضرت فاطمۃ الزہرا کا نکاح ہوا ہے۔ اور نکاح کے وقت آپکی عمر پندرہ سال اور پانچ ماہ کی تھی۔ اور اسی طرح قدرے تفصیل کے ساتھ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی ولادت بعثت سے کچھ عرصہ پیشتر تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے اور حضرت فاطمۃ الزہرا حضرت عائشہؓ سے تقریباً پانچ سال عمر میں بڑی تھیں۔ ان حضرات حفاظ علم و حدیث کی مذکورہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا کی ولادت ۴۱ھ مولد نبوی بعثت سے کچھ پیشتر ہوئی ہے۔ اس حساب سے حضرت عائشہؓ کی ولادت ۴ نبوۃ یا ۵ نبوۃ میں ثابت ہوتی ہے اور ہجرت سے دو سال پیشتر نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر چھ سال کی ظاہر ہوتی ہے۔ یہی صحیح اور ثابت روایات ہیں اور اسی پر اعتماد ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی وفات | طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ ہجرت کے گیارہویں سال رمضان شریف کے مہینہ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے لکھا ہے مدائنی نے فرمایا رمضان شریف کے مہینہ میں ۱۱ھ ۲۹ سال کی عمر میں حضرت فاطمۃ الزہرا نے وفات پائی اور لکھا ہے کہ زبیر بن بکار نے ذکر کیا کہ عبداللہ بن حسن بن حسین ہشام بن عبدالملک کے پاس تشریف لے گئے اور ہشام کے پاس کلبی بیٹھا ہوا تھا، ہشام نے عبداللہ بن حسن سے کہا وفات کے وقت حضرت فاطمۃ الزہرا کی عمر کتنی تھی۔ آپ نے فرمایا تیس سال۔ ہشام نے کلبی سے بھی یہی سوال کیا، اس نے جواب میں کہا پینتیس سال۔ عبداللہ بن حسن نے فرمایا امیرالمؤمنین مجھ سے میری ماں کے بارہ میں پوچھئے اور کلبی سے اسکی ماں کے متعلق پوچھئے۔ عبداللہ بن حسن نے ہشام کے روبرو کلبی کے اس کہنے کی تکذیب کی کہ حضرت فاطمۃ الزہرا نے پینتیس سال کی عمر میں وفات پائی ہے۔ اور صدر محترم کلبی کے بیان کو اپنے دعویٰ کی تائید اور توثیق میں نقل کرتے ہیں۔ تحقیق کا یہ انداز بھی نرالا ہے کہ جس مخدوش کی بات جس کے سامنے رد کر دی گئی تھی اس کو تائید میں پیش کیا جائے۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ | حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث پر تنقید کی تیسری

۱۔ الاصابۃ ۲۔ الاستیعاب

وجہ یہی شعبہ اسلامیات کے صدر محترم نے حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کی عمر کی نسبت کو اپنے دعویٰ کیلئے دلیل بنایا ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور اکمال فی اسماء الرجال کے حوالہ سے صدر محترم نے یہ لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ۷۳ھ میں اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کے قتل کے بعد وفات پائی ہے۔ اور یہ بھی کہ حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں اور ابونعیم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ کی ولادت ہجرت سے ۲۷ سال پہلے ہوئی تھی اور ان کی پیدائش کے وقت آپ کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر کچھ اوپر بیس سال کی تھی اور صدر محترم نے ان حوالہ جات کا یہ نتیجہ ظاہر کیا ہے ..... (ان تصریحات سے ظاہر ہے کہ حضرت اسماءؓ کی پیدائش چودہ سال قبل نبوۃ میں ہوئی تھی۔ کیونکہ ۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے تو انکی عمر سو سال تھی لہذا انکی پیدائش ۲۷ھ قبل ہجرت اور ۱۴ھ قبل نبوۃ میں ہونی چاہیے۔ یہ حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں، لہذا حضرت عائشہؓ کی پیدائش ۴ھ قبل نبوۃ میں ہونی چاہیے۔ ۱۰ھ نبوۃ میں جبکہ ان کا نکاح ہوا ہے ان کی عمر سولہ سال ہونی چاہیے۔ ان تمام شہادتوں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال سے کسی طرح کم نہیں تھی ......)[1]

صدر محترم نے پہلے کی طرح اپنے دعویٰ کے اثبات کیلئے تاریخ سے کچھ نقل کر دیا ہے۔ مگر اس کا اندازہ نہیں لگایا کہ ان شہادتوں میں کچھ وزن بھی ہے۔

صدر محترم اسی بحث میں پہلے یہ لکھ چکے ہیں کہ حضرت عباسؓ کے قول کے مطابق کعبہ کی تعمیر کے سال نبوۃ سے پانچ سال پیشتر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت ہوئی ہے۔ اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی، اور صدر محترم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بالاتفاق حضرت فاطمہؓ سے پانچ سال چھوٹی تھیں۔ اگر صدر محترم کا یہ کہنا درست ہے تو حضورؐ کے مولد کے اکتالیسویں اور نبوۃ کے پہلے سال حضرت عائشہؓ کی ولادت ہونی چاہیے تاکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عمر کے اعتبار سے حضرت عائشہؓ کی عمر پر پانچ سال کا اضافہ ثابت اور قائم رہے۔ لیکن اس کے ساتھ صدر محترم کا یہ لکھنا غلط ثابت ہوگا کہ حضرت عائشہؓ کی پیدائش نبوۃ سے چار سال پہلے ہونی چاہیے اور آپ کی یہ شہادت بیکار ثابت ہو جائیگی کہ نکاح کے

---

[1] فکر و نظر مارچ ۱۹۶۶ء صفحہ ۹۲۷ء

وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال سے کسی طرح کم نہیں تھی، کیونکہ نبوۃ کے پہلے سال سے
نبوۃ کے دس سال یا نبوۃ کے بارہ سال تک سولہ سترہ سال کی عمر نہیں پوری ہوتی اور اگر صدر محترم
کی یہ شہادت ثابت اور قائم ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال
سے کسی طرح کم نہیں تھی، اور نبوۃ سے چار سال پہلے آپ کی پیدائش ہوئی، تو پھر صدر محترم کا یہ
کہنا سراسر غلط ثابت ہوتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ حضرت عائشہؓ سے پانچ سال عمر میں بڑی
تھیں اور آپکی پیدائش کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی۔ کیونکہ جب حضرت
عائشہؓ کی پیدائش ۴ھ قبل از نبوۃ تسلیم کی گئی تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی پیدائش ۹ھ قبل از نبوۃ
ہونی چاہئے۔ اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی بجائے اکتیس سال ہونی
چاہئے۔۔۔ نیز صدر محترم اپنی شہادت میں یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے
عمر میں دس سال بڑی تھیں، اور حضرت اسماءؓ کی ولادت کے وقت صدیق اکبرؓ کی عمر کچھ اوپر بیس
سال کی تھی۔ صدر محترم کی یہ شہادت اس پہلو سے بھی قابل غور ہے کہ صدیق اکبرؓ کی ولادت حضورؐ
کی ولادت سے عام الفیل کے بعد دو سال چھ ماہ یا تقریباً تین سال کے بعد ہوئی ہے اور تریسٹھ
سال کی عمر میں ۱۳ھ میں آپ نے وفات پائی ہے۔ اور بقول نووی حضرت اسماءؓ کی ولادت
کے وقت صدیق اکبرؓ کی عمر اکیس سال کی تھی اور صدر محترم کے حسب تحریر اس وقت صدیق اکبرؓ
کی عمر کچھ اوپر بیس سال کی تھی اور جب حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں دس سال بڑی
ہیں تو حضرت عائشہؓ کی ولادت کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی عمر تیس اکتیس سال ہونی چاہئے
اور رسالت مآب صدیق اکبرؓ سے ڈھائی تین سال عمر میں بڑے ہیں تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی عمر تقریباً تینتیس چونتیس سال ہونی چاہئے اور پینتیس سال کی عمر میں بقول صدر محترم بالاتفاق
حضرت فاطمہؓ کی ولادت ہوئی، اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ بالاتفاق حضرت عائشہؓ سے عمر میں پانچ
سال بڑی ہیں تو آپ سوچیں کہ حضورؐ کی عمر تینتیس چونتیس سال کی تھی کہ حضرت عائشہؓ پیدا ہوئیں اور حضورؐ
کی عمر پینتیس سال ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت ہوئی ہے۔ اس حساب سے صدر محترم کی
مسلمہ شہادت سے حضرت عائشہؓ کا حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے دو سال بڑا ہونا ثابت ہوتا ہے
اس سلسلے صدر محترم کی اس شہادت کو مستند کر دینا ضروری ہے۔ کہ علماء کا بالاتفاق اور محترم کا مسلمہ
نظریہ کہ حضورؐ کی پینتیس سال کی عمر میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ولادت ہوئی اور آپ حضرت عائشہؓ
سے پانچ سال عمر میں بڑی تھیں غلط ثابت ہوتا ہے۔ اور صحیح سالم قائم نہیں رہتا۔ اس لئے یقیناً ہمیں

کہنا پڑتا ہے کہ صدر محترم کو حضرت اسماءؓ کی عمر کے بارہ میں دھوکا لگتا ہے۔ اور یقیناً کسی صورت سے بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ سے حضرت اسماءؓ عمر میں دس سال بڑی تھیں اور صدر محترم نے اسد الغابہ کے حوالہ سے اور ابو نعیم کے نام سے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت اسماءؓ کی پیدائش ہجرت سے ستائیس سال پہلے ہو چکی تھی یعنی ہجرت کے وقت آپکی عمر ستائیس سال تھی۔ لیکن ابو نعیم نے صرف اس قدر نہیں کہا ہے کہ ہجرت کے وقت آپکی ستائیس سال عمر تھی، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ ہجرت سے چوبیسویں سال کے اوائل تک زندہ رہیں۔

اگر صدر محترم ابو نعیم اصفہانی کی مذکورہ بات کو ضرور تسلیم کرنا چاہتے ہیں تو پھر اسکی بات پوری تسلیم کریں یہ تو مناسب نہیں کی آدھی بات تسلیم کرتے ہیں اور آدھی کا انکار کرتے ہیں۔ اور ۷۳ھ کو حضرت اسماءؓ کا سن وفات قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم ابو نعیم کی حسب تحریر محترم عمر احمد صاحب کے اس ذکر کو صحیح تسلیم کریں کہ حضرت اسماءؓ کی پیدائش چودہ سال قبل نبوۃ ہوئی ہے۔ اور ہجرت کے سال آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ تو محترم صدر کے حسب تحریر ابو نعیم نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ حضرت اسماءؓ کی پیدائش کے وقت ابو بکر صدیقؓ کی عمر تقریباً چوبیس سال ہونی چاہئے۔ اور ابو نعیم کا یہ کہنا ہے اور صدر محترم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت اسماءؓ کی پیدائش کے وقت آپ کے والد کی عمر اکیس سال سے بھی کم تھی ۔۔۔۔ غرض یہ کہ صدر محترم کی یہ تاریخی شہادت تاریخ کے اعتبار سے سخت مجروح ہے۔ اگر ہم مذکورہ تاریخی شہادۃ کے ایک پہلو کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کا دوسرا پہلو مجبوراً چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور اس سے ہم کسی قطعی اور یقینی نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔ لہذا انسب اور سلامتی کا طریقہ یہ ہے۔ کہ صدر محترم کی پیش کردہ تاریخی شہادت سے صرف نظر کیا جائے اور بخاریؒ مسلمؒ اور دوسرے محدثین کی کتابوں میں حضرت عائشہؓ کے مذکورہ بیان پر پورا اعتماد کیا جائے کہ نکاح کے وقت آپکی عمر چھ سات سال کی تھی۔

ابن کثیرؒ اور اکمال کا حوالہ اس قدر لکھنا درست ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں قیل کہہ کر حضرت اسماءؓ کے ترجمہ میں لکھ دیا ہے کہ حضرت اسماءؓ اپنی بہن حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔ اور ۷۳ھ میں سو سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی ہے۔ اور اسی طرح ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایۃ میں لکھا ہے۔ لیکن صاحب مشکوٰۃ نے اکمال فی اسماء الرجال میں حضرت عائشہؓ کے ترجمہ میں اسطرح لکھا ہے ۔۔۔ ۱۰ نبوۃ میں ہجرت سے تین سال قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہؓ کا نکاح ہوا اور ۲ھ میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اور نو سال تک

آغوش نبوۃ میں رہیں اور حضورؐ کے تشریف لے جانے کے وقت اٹھارہ سال آپ کی عمر تھی۔ اور اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی چھ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا اور نو سال کی عمر میں آپکی رخصتی ہوئی لہذا ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ حافظ ابن کثیرؒ اور صاحب مشکوٰۃ اس نظریہ کو صحیح تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت سولہ یا سترہ سال کی تھی اور حضرت اسماءؓ دس سال آپ سے عمر میں بڑی تھیں ورنہ حضرت عائشہؓ کے ترجمہ میں یہ حضرات اس علم و فکر کے خلاف ہرگز نہ لکھتے جو حضرت اسماءؓ کے بارہ میں اور آپ کے ترجمہ میں لکھنے سے حضرت عائشہؓ کے متعلق سمجھا گیا تھا۔ اس لئے کہ ایک مصنف ایک ہی واقعہ کے متعلق ایک تصنیف میں دو متضاد رائے قائم نہیں کرتا اور نہ ایک لہجہ میں دو متضاد علوم کو روایت کرتا ہے۔ کوئی تعجب نہیں ہے کہ ان حضرات کے کان میں جو بات پڑ گئی تھی کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں دس سال بڑی ہیں۔ اسکو لکھ دیا اور حقیقت حال یہ ہو کہ کہنے والے نے یہ کہنا چاہا ہو کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں بیس سال بڑی تھیں عشرین کی جگہ یا تو کہنے والے کی زبان سے عشرہ نکل گیا ہے یا سننے والے نے عشرین کی جگہ عشرہ سنا ہے۔

یہ روایت کہاں سے آئی ہے۔ محترم صدر اس بحث میں غیر ضروری باتوں میں دور دور تک پہنچے ہیں اور اس تگ و دو میں مارے مارے پھرے ہیں کہ کسی تنکے کا سہارا مل جائے اور نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر سولہ سترہ سال ظاہر کر دیں۔ مگر اس طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی ہے کہ یہ کہنے والا کون ہے کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس صاحب نے یہ بتایا ہے کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے عمر میں دس سال بڑی ہیں، وہ کون ہے۔؟

نوویؒ تہذیب الاسماء واللغات میں لکھتے ہیں ___ دمشق کی تاریخ میں مذکور ہے ابن ابی الزناد فرماتے ہیں حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی تھیں ___ نوویؒ کی اس تحریر نے یہ ظاہر کیا کہ اس روایت کی انتہا یہ ہے کہ ابن ابی الزناد نے یہ بات کہی ہے۔ اور اس کے نقل کرنے والے ابن عساکرؒ ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ منقولات میں ابن عساکرؒ نے صحیح منقولات کے نقل کرنے کا التزام کیا ہے یا جو بھی سامنے آیا ہے اس کو لکھ دیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی الزناد نے صحیح روایات کے روایت کرنے کا التزام کیا ہے یا جس طرح کی روایت بھی ہو اسکو روایت

کرتے ہیں، اور کیا ابن ابی الزناد خود عادل ضابط اور ثقہ راوی ہے یا ائمہ روایت اس کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کتاب الاستغاثہ المعروف الرد علی البکری کے اوائل میں لکھتے ہیں:-

(لیکن جو لوگ منقولات کو جمع کرتے ہیں ان میں ایسے حضرات ہیں کہ وہ غالب حالات میں صحیح اور ضعیف میں تمیز کر سکتے ہیں۔ جیسے ابوداودؒ دارقطنیؒ خطیبؒ ابونعیمؒ بیہقیؒ وغیرہ حضرات۔ لیکن پھر بھی کتابوں میں غرائب منکرات اور احادیث موضوعہ کو روایت کرتے ہیں اسی طرح خطیبؒ ابن جوزیؒ ابن عساکرؒ وغیرہ حضرات اپنی تاریخ میں منکرات اور موضوعات کو جانتے ہوئے بھی روایت کرتے ہیں۔)

حافظ ابن تیمیہؒ کی جلالت قدر سب کو مسلم ہے۔ حافظ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ابن عساکرؒ کی تاریخ میں منکر اور موضوع روایات موجود ہیں۔ اس لئے اس پہ کوئی تعجب نہ کرنا چاہئے کہ ابن عساکرؒ کی تاریخ میں مذکورہ روایت کہ حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی ہیں۔ منکر اور موضوع ہے۔ ابن عساکرؒ کی ولادت ۴۹۹ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے ابن عساکرؒ خود براہ راست حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارہ میں کچھ نہیں جانتے۔ البتہ آپ نے کسی دوسرے سے روایت کیا ہوگا۔ اور جس سے روایت لی ہے۔ اس کا نام ابن ابی الزناد بتلایا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ ابن ابی الزناد صاحب کون ہیں۔ اور روایات کی نقد و بصیرت میں اس کا پایہ کیا ہے۔

ابن ابی الزناد کا نام عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ہے۔ ۱۷۴ھ میں بغداد میں آپ نے وفات پائی۔ ابن معینؒ فرماتے ہیں ابن ابی الزناد ضعیف ہے۔ یحیٰی بن سعید القطانؒ نے فرمایا ابن ابی الزناد کوئی شئے نہیں ہے۔ اس سے احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اسی طرح ابوحاتمؒ نے فرمایا ہے۔ نسائیؒ نے ضعیف کہا ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ ابن ابی الزناد مضطرب الحدیث ہے۔ کبھی کچھ روایت کرتے ہیں اور کبھی کچھ۔ ابن المدینیؒ آپ کو ضعیف بتلاتے ہیں۔ امام مالکؒ نے آپ کی روایت میں کلام کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ۔ میزان الاعتدال)

ابن ابی الزناد کے متعلق ائمہ جرح و تعدیل کی جو رائے تھی وہ آپ کے سامنے ہے۔ کیا ایسے مجروح ناقابل احتجاج اور مضطرب الحدیث راوی کی روایت سے امام بخاریؒ امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کی صحیح اور ثابت روایت کے مقابلہ پہ احتجاج کرنا اور اس کو سند سمجھنا صحیح

اور مقبول ہو سکتا ہے۔ اگر کالج کے شعبہ اسلامیات کے صدر محترم کچھ بھی انصاف کریں تو وہ ہرگز پسند نہیں کریں گے کہ ناقابل احتجاج اور مضطرب الحدیث ضعیف ابن ابی الزناد راوی کی روایت کی مدد سے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی صحیح اور ثابت روایت پر تنقید کی جائے۔ بفرض محال اگر ابن ابی الزناد کی مذکورہ روایت کو ہم صحیح تسلیم کر لیں تو اس کے مطابق ہجرت کے سال حضرت عائشہؓ کی عمر سترہ سال ہونی چاہئے۔ اور ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں حضرت عائشہؓ کی وفات کے سال آپ کی کل عمر ۷۴، یا ۷۵، سال ہونی چاہئے۔ اور علمائے سیر و اخبار کو اتفاق ہے کہ ۵۷ھ میں یا ۵۸ھ میں وفات کے سال حضرت عائشہؓ کی عمر ۶۵ یا ۶۶ سال کی تھی۔ اس سے بھی ابن ابی الزناد کی مذکورہ روایت قابل تسلیم ثابت نہیں ہوتی ہے۔

غرض یہ کہ امت محمدیہ کے اہل علم اور ائمہ حدیث کو اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی نکاح کے وقت چھ سال عمر تھی اور قبل از بلوغ لڑکے یا لڑکی کے نکاح کرنے کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے علی حسب المراتب اولیا کو حق دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے اصول اور مسائل کی حفاظت اور حمایت کیلئے ہمیشہ ایسے اہل علم کو قائم رکھے کہ وہ اللہ کے دین کی تبلیغ اور دعوت میں کسی لالچ اور حرص کے شکار نہیں ہوتے اور کسی طرح کے جبر اور استبداد سے ان کی زبانیں گنگ نہیں ہوتیں اور فقر و غربت سے نہیں گھبراتے اور اللہ کی ذات پر توجہ رکھتے ہیں۔ اور کسی کی دولت اور ثروت پر توجہ نہیں کرتے اور دنیا کی ہر طرح کی تکلیف اور ایذا کو برداشت کریں گے۔ مگر اللہ کے دین کی تبلیغ و دعوت اور تعلیم و تفہیم میں ثابت قدم اور مرد میدان رہتے ہیں۔ ایسے حضرات ارباب علم سے اسلامیات کی اہم خدمات انجام دینے کی توقع رکھنی چاہئے اور دین کے معاملات ایسے حضرات ارباب اوصاف پر کامل اور پورا اعتماد رکھنا ضروری ہے۔

مولانا شیر علی شاہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ

گذشتہ سے پیوستہ

مسجد حرام کی فضاؤں میں

مقامِ ابراہیم میں دوگانہ اور دعا کے بعد چاہِ زمزم کو روانہ ہوتے ۔ خدا کرے کہ زمزم کی شرابِ طہور جسمانی و روحانی طہارت و تزکیہ کا باعث ہو۔ قبلہ رخ کھڑے ہو کر اس کا پینا مسنون ہے۔ زمزم جو آجکل کنوئیں کی شکل میں موجود ہے ، یہ آج سے چار ہزار سال قبل حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عہد طفولیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور رحمتِ خاصہ سے حضرت اسماعیلؑ کی شدتِ پیاس بجھانے کیلئے چشمہ کی صورت میں نمودار فرمایا تھا۔ اب یہ چشمہ زمین دوز تہ خانے کے اندر کنوئیں کی شکل میں موجود ہے۔ زمزم کا یہ کنواں خانہ کعبہ سے تقریباً چالیس گز کی مسافت پر بجانب مشرق و جنوب حجر اسود کے بالمقابل واقع ہے۔ مردوں کے لئے علیحدہ جگہ اور عورتوں کے لئے علیحدہ جگہ متعین ہے۔ سیڑھیوں سے نیچے اترنے کا انتظام ہے۔ اب اس پر تین واٹر پمپ نصب ہیں ، ہجوم نہ ہونے کے وقت ڈول سے بھی پانی نکالنے کا انتظام ہے۔ زیادہ ہجوم کے وقت پولیس وہ آہنی جالیدار دروازہ بند کر دیتی ہے جو کنوئیں کے پاس لگایا گیا ہے۔ دروازہ سے باہر متعدد ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان سے بآسانی سیرابی میسر ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ فِيْهِ طَعَامُ الطُّعْمِ وَشِفَاءُ السُّقْمِ ۔ (تمام روئے زمین پر بہتر پانی زمزم ہی کا ہے جس میں غذائیت اور شفاء ہے ۔)

آبِ زمزم کو پیٹ بھر کر پینا چاہیئے اور پیتے وقت دین و دنیا و آخرت کی عافیت و سلامتی کی نیت کرنی چاہیئے۔ جیسا کہ صادق و مصدوق علیہ التسلیمات نے فرمایا ہے ، فَهُوَ لِمَا شُرِبَ لَهٗ ۔ یہ پانی

ہر اس غرض کو پورا کرتا ہے جس کے لئے نوش کیا جائے عبداللہ ابن عباسؓ نے آبِ زمزم پیا تو یہ دعا فرمائی: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ عِلْمًا نَافِعًا۔ (اے میرے مولا۔ مجھے نفع رساں علم عطا فرما۔) وَرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ کُلِّ دَاءٍ۔ (میرے رزق میں فراخی نصیب فرما۔ اور ہر بیماری سے شفا۔)

اس پانی کو جتنا بھی پیا جائے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ پیٹ بھر کر پیا جائے اور ہر سانس پر بیت اللہ کیطرف نگاہ اٹھائی جائے۔ آجکل تو تہ خانہ میں خانہ کعبہ نظر نہیں آتا۔ خانہ کعبہ کی طرف رُخ کرنا کافی ہے۔ بعض حضرات پانی کو برتن میں ڈال کر اوپر چڑھ جاتے ہیں، اور خانہ کعبہ کو نگاہ کئے ہوئے آبِ زمزم نوش فرماتے ہیں۔ بچا ہوا پانی اپنے چہرہ، سر، اور جسم کے اعضاء پر مل لینا چاہیے۔

دارقطنی میں ابن عباسؓ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے۔ "زمزم کا پانی جس غرض کے لئے پیا جائے وہی غرض پورا کرتا ہے۔ اگر آپ شفایابی کے لئے نوش کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کو تندرستی وصحت عطا فرمادے گا۔ اگر بغرض غذائیت استعمال کریں تو خداوند تعالیٰ آپ کو سیر کر دے گا۔ اور اگر پیاس بجھانے کی غرض سے پئیں تو اللہ تعالیٰ پیاس دور کر دیگا۔" ایک روایت میں یہ اضافہ بھی وارد ہے۔ "اور اگر اس کو اس نیت سے پئیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ نصیب ہو تو یقیناً اسکی پناہ نصیب ہوگی۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ "میں جب نبوت کی خبر سن کر مکہ مکرمہ (اسلام لانے کی غرض سے) حاضر ہوا، تو مجھے مکمل مہینہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا موقعہ میسر نہ آسکا۔ چونکہ اپنے ساتھ توشۂ خوراک نہیں لایا تھا، اس لئے تمام مہینہ آبِ زمزم پینے سے غذائیت حاصل کرتا رہا۔ ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں موٹا ہو گیا۔ میں اپنے جگر میں بھوک کی وجہ سے کمزوری کا کوئی اثر محسوس نہ کرتا تھا۔ جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ابوذر غفاری کا یہ سارا بیان سن لیا تو فرمایا کہ "آبِ زمزم میں برکت ہے، اس میں غذائیت ہے جو پینے والے کو سیر کرتی ہے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آبِ زمزم اتنا مرغوب ومحبوب تھا کہ فتح مکہ کے بعد جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ پہنچ گئے۔ تو مکہ میں اپنے مقرر کردہ خطیب سہیل بن عمروؓ کو آبِ زمزم طلب کرنے کی غرض سے ایک مکتوب گرامی ارسال کیا۔ چنانچہ حضرت سہیلؓ نے آبِ زمزم سے دو مشکیزے بھر کر اونٹ پر لادے اور قاصد کے ذریعہ مدینہ منورہ بھیج دیے۔

سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی خاطر ہر سال لاکھوں ٹن پانی لاکھوں حجاج کرام کے ذریعہ دنیا کے مختلف گوشوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس پانی کی یہ خاصیت ہے کہ طویل عرصہ گزرنے کے باوجود اس کے ذائقہ میں تلخی، بدبو اور بدمزگی پیدا نہیں ہوتی۔

آب زمزم پیٹ بھر کر پینے کے بعد صفا کی طرف سعی کی نیت سے روانہ ہوئے "باب الصفا" سے نکلے۔ زبان پر ابدء بما بدء الله به ۔۔۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ ۔ (میں اس جگہ سے سعی کا آغاز کرتا ہوں جس جگہ کو اللہ تعالیٰ نے مقدم ذکر فرمایا ہے۔)

شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۔ (خداوند کریم کا ارشاد ہے) یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، پس جو کوئی حج بیت اللہ کرے، یا عمرہ، تو اسکو ان دونوں جگہ کے درمیان طواف کرنا چاہیے۔ اور جو کوئی نفلی نیکیاں کرے، تو اللہ تعالیٰ نیکیوں کا بدلہ دینے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔)

اب صفا پہاڑی کا معمولی حصہ باقی رہ گیا ہے، اکثر حصہ تراشا گیا ہے۔ ان پہاڑی پتھروں پر یا اس کے نیچے جگہ میں کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے۔ دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے ہوئے بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر دعا مانگنی چاہیے۔ یہاں حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں اس وقت آئی تھیں جبکہ آپؓ کا نور نظر، لخت جگر، شیر خوار بچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شدت پیاس سے ماہی بے آب کیطرح تڑپنے لگا، تو اسکی ماتا بھری ماں، اپنے لاڈلے اکلوتے بچے کی جان بچانے کی خاطر صفا پہاڑی کو دوڑی تاکہ اس اونچی جگہ سے کہیں پانی کا سراغ مل سکے۔ اس نے جب چاروں طرف نظر دوڑائی تو پانی کا سراغ نہ ملا اور نہ کوئی جاندار حد نگاہ تک نظر آیا۔ صفا سے مروہ کیطرف روانہ ہوئی کہ شاید وہاں سے کہیں پانی کا نشان مل سکے۔ وہاں بھی ماسوائے سنسان، لق ودق صحراؤں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ دریائے نیل کے سرسبز وشاداب کنارے میں پیدا شدہ خاتون، قریۂ حیرون علاقہ شام کے سرد ترین مقامات میں رہائش پذیر حضرت ہاجرہؓ اور سرزمین حجاز کی بے آب وگیاہ پہاڑی علاقہ، ریت کے ڈھیر، خاموش فضا میں ہمہ گیر تنہائی کا عالم، عجیب ودلخراش منظر تھا ۔۔۔۔ سیاہ پہاڑوں کی آغوش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیویؓ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہؓ حضرت ہاجرہؓ سات مرتبہ پانی کی تلاش میں دوڑی ۔۔۔۔۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ حضرت ہاجرہؓ کی اسی واقعہ کی یادگار وتذکرہ میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کی آیت، آیات صبر کے بعد ذکر ہونے کی وجہ حضرات مفسرینؒ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فضائل صبر بیان کرنے کے بعد طائفہ صابرین کی سیدہ اور سرتاج حضرت ہاجرہؓ کے مواقع صبر کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت ہاجرہ کے تسلیم وانقیاد اور رضا برضائے مولیٰ پر صبر اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہوا کہ اس کی دوڑ کو قیامت تک حج اور عمرہ کرنے

والوں پر لازم کر دیا۔ اور "صفا مروہ" کو شعائر اللہ (خدا کی نشانیاں) کے لقب سے نوازا۔ حضرت ہاجرہؓ جب یاس و ناامیدی کے عالم میں مروہ سے اتر رہی تھیں، انہوں نے اسی اثنا میں ایک غیبی آواز سنی: مَنْ اَنْتِ: تم کون ہو...؟ اَنَا اُمُّ وَلَدِ اِبْرَاهِيمَ هَاجِرَةُ۔ میں حضرت ابراہیمؑ کے فرزند کی والدہ ہوں، میرا نام ہاجرہؓ ہے — حضرت ہاجرہؓ نے جواب دیا...... ہاتف دوبارہ پوچھتا ہے۔ اِلٰی مَنْ وَكَلَكُمَا۔ حضرت ابراہیمؑ نے تمہیں اس سنسان وادی میں کس کے حوالہ کر دیا ہے۔؟ حضرت ہاجرہؓ نے جواب دیا: وَكَلَنَا اِلَى اللّٰهِ۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا ہے۔ فرشتے نے فرمایا: وَكَلَكُمَا اِلٰى كَافٍ۔ انہوں نے تو خدائے قادر و کافی کے سپرد چھوڑا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ جب لختِ جگر کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ زمین سے پانی پورے زور سے پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے چشمہ کے اردگرد منڈیر بنا کر پانی کو جمع کر دیا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر حضرت ہاجرہؓ پانی کے روکنے کے لئے منڈیر نہ بناتیں تو آج یہ بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔

حجاج کرام صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت حضرت ہاجرہؓ کے صبر و تسلیم اور ہمت و استقلال کو پیشِ نظر رکھیں جبکہ وہ فرمانِ خداوندی کے پیشِ نظر صدہا مشقتیں برداشت کر گئی تھیں۔ آج تو یہاں ہر قسم کی سہولت مہیا ہے۔ چاروں طرف آبادی ہے۔ صفا سے مروہ تک صاف شفاف راستہ ہے۔ اوپر لنٹر ہے۔ اُس وقت یہ چٹیل میدان اور پہاڑیوں میں سنگلاخ راستہ تھا......

صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے جو دعا بھی آپ کریں بہتر ہے۔ اگر تلاوتِ قرآن کریم کر سکیں تو انسب ہے۔ سب سے مختصر اور جامع دعا یہ ہے۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔ (اے پروردگار مجھے اپنی مغفرت و رحمت میں جگہ دے اور میرے گناہوں کو معاف فرما۔ یقیناً تو ہی سب پر غالب اور سب سے زیادہ کرم فرما ہے۔)

صفا سے چل کر سبز ستون سے دوسرے سبز ستون تک ذرا دوڑ کر جانا چاہیئے۔ مروہ پر پڑھ کر وہی عمل کرنا چاہیئے۔ جو صفا پر کیا تھا۔ خانہ کعبہ کے اردگرد طواف ہو۔ یا صفا مروہ کے درمیان سعی۔ یہ درحقیقت انبیاءِ کرام اور حضراتِ صحابہؓ و تابعین، شہداء و صلحاء کے نقوشِ اقدام پر چلنا ہے سات دفعہ چلنے کو سعی کہتے ہیں۔ اور صفا مروہ کے درمیانی خطہ کو مَسْعٰی — صفا سے آغاز کر کے مروہ پر ختم کیجیے۔ عمرہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر حج کے لئے طواف شروع کیا۔ ہر شوط میں حجرِ اسود کا بوسہ نصیب ہوا۔ سعی سے فارغ ہو کر "منیٰ" جانے کے لئے مَسْعٰی کی جانب نکلے۔ ہم نے شام کو صرف پانی سے روزہ افطار کیا — رات کا اکثر حصہ گذر گیا ہے، ہمیں بھوک کا قطعاً

احساس تک نہیں۔ زمزم کے پانی نے سیر کر دیا ہے۔ محض خانہ پری کے طور پر کچھ کھانے کے لئے بازار گئے، مگر تمام بازار بند ہے۔ صرف ایک ہوٹل کھلا ہوا ملا، کھانے کے متعلق دریافت کیا تو پتہ چلا کہ روٹی ہے مگر سالن نہیں، روٹی خرید لی، ٹیکسی میں بیٹھ کر منیٰ روانہ ہوئے۔ منیٰ جاتے وقت "فرزدق" اور "جریر" کا مکالمہ یاد آیا جو عقبۃ الاردن کے مشہور عالم شیخ معوض نے بتایا تھا۔

قَالَ اَبُوْعُبَیْدَۃَ - اِلْتَقٰی جَرِیْرٌ وَالْفَرَزْدَقُ وَھُمَا حَاجَّانِ فَقَالَ فَرَزْدَقُ ــــ	ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ ایک دفعہ جریر اور فرزدق کی ملاقات موسم حج میں ہوئی۔ فرزدق نے جریر سے دریافت کیا ــــ
فَاِنَّکَ لَاقٍ بِالْمَنَازِلِ مِنْ مِنًی فَخَارًا فَاَخْبِرْنِیْ بِمَا اَنْتَ فَاخِرٌ	اے جریر آپ منیٰ کے منزلوں میں جاکر مجد و شرف کے امور پر فخر کریں گے۔ پس مجھے بتا دیجئے کہ آپ منیٰ میں کس چیز پہ فخر کرنے والے ہیں۔
فَقَالَ جَرِیْرٌ بِلَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔	جریر نے جواب دیا کہ میں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کے کلمات پر فخر کرنے والا ہوں۔
قَالَ اَبُوْعُبَیْدَۃَ وَکَانَ اَصْحَابُنَا یَسْتَحْسِنُوْنَ ھٰذَا الْجَوَابَ مِنْ جَرِیْرٍ وَیُعْجَبُوْنَ بِہٖ۔	ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھی جریر کے اس جواب کو بہت پسند کیا کرتے تھے۔

راستہ چونکہ خالی تھا اس لئے ہم چار پانچ منٹ کے وقفہ میں پہنچے "مسجد خیف" کے بڑے دروازے کے بالمقابل سڑک کے ایک کنارے فروکش ہوئے، ساتھیوں کو بٹھلا کر قریب کی ایک دوکان سے اناناس کے مربے کا ڈبہ خریدا، اس کے ساتھ ہم نے روٹی کھائی۔ مکہ مکرمہ کی بابرکت روٹی اور مسجد خیف کی آغوش میں اناناس کے قتلوں سے کھانا عجب کیف کا باعث ہے۔ ساتھیوں نے تہجد پڑھ کر ذرا آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ مسجد خیف میں نصب شدہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ نشر شدہ مؤثر اذان نے ہمیں جگایا۔ الحمدللہ کہ منیٰ میں صبح کی یہ نماز باجماعت نصیب ہوئی۔ سنت تو یہ ہے کہ منیٰ میں پانچوں نمازیں (ترویہ کے ظہر سے لیکر عرفہ کی فجر تک) پڑھی جائیں، مگر بحکم قضائے الٰہی ہم نے ظہر کی نماز جدہ کے مدینۃ الحجاج میں پڑھی۔ عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مکہ مکرمہ میں۔ صرف یہ فجر کی نماز منیٰ میں نصیب ہوئی۔ الحمد للہ مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ کچھ نہ کچھ تو میسر ہوا۔

(باقی آئندہ)

ادبیات

نعت

جناب عطاء اللہ صاحب عطاؔ وکیل ڈیرہ اسماعیل خان

گر سوئے من از لطف کنی نیم نگاہے
این کاہ سرِ راہ شود کوہ بجا ہے

اُمت ہمہ در حشر بہ امیدِ شفاعت
خم کردہ میان پیشِ توچوں یکشبہ ماہے

در سایۂ تو ایکہ قدت سایہ ندارد
اُمت ہمہ در حشر بجوید پناہے

در حشر بجوید نگہِ مہرتو ہر چند
پوشیم ز شرم تو بہ صد پردہ گناہے

اُفتادگی ام وجہِ مراتب شود آخر
معراج کند یوسفؑ اُفتادہ بچاہے

از نورِ تو خورشید فلک سایہ فگن شد
از رشکِ تو بر سینۂ مہ داغِ سیاہے

اے رحمتِ عالمؐ چہ شود گر بنوازی
ما منتظرانِ کرمت را بہ نگاہے

از زمرۂ عشاق نباشد کہ نہ جوید
در پیچ و خمِ گیسوئے تو جائے پناہے

از پردہ بروں آکہ بکوئے تو شب و روز
استادہ ہزاراں چو عطاؔ چشم براہے

★

ع کیا قلب کی ہوگی کیفیت جب روضۂ اطہر دیکھیں گے

جناب خواجہ محمد عادلؔ صاحب ڈھاکہ

سوئی ہوئی قسمت جاگے گی اللہ کا جب گھر دیکھینگے
سجدے میں ادہر گر جائیگا سر جب وہ درِ ہم در دیکھینگے

کب ہوگا وہ دن اللہ اللہ ہم روضۂ انور دیکھینگے
آنکھوں میں عقیدت کے آنسو رحمت کا وہ منظر دیکھینگے

ہر گام پہ ہو اک سجدۂ شکر اس شان سے پہنچیں طیبہ تک
کیا قلب کی ہوگی کیفیت جب روضۂ اطہر دیکھینگے

اعمالِ سیہ دل بے دھڑکن آنکھوں میں ندامت کے آنسو
خود جوش میں رحمت آئیگی آقا جو یہ منظر دیکھینگے

محشر میں جو پہنچوں گا عادلؔ سر پہ لادے انبارِ گنہ
شرمندہ ہوں کیا فرمائیں گے جب شافعِ محشر دیکھینگے

تردیدِ فکرِ ارتداد

جناب خواجہ محمد علیم صاحب علیمؔ ۔ احسن منزل ۔ ڈھاکہ

یہ مصلحانِ مذہب خود مفسدِ زمن ہیں
دیکھو تو رہنما ہیں سمجھو تو راہ زن ہیں !

یورپ سے سیکھ آئے یہ ڈھنگ یہ طریقے
تفسیخ دین و ملت یہ آپ کے چلن ہیں

قولِ نبیؐ کے ہیں یہ منکر تو پہلے ہی سے
اب اتنے بڑھ گئے ہیں قرآں پہ تیغ زن ہیں

رقص و سرود عریاں اِسکی نہیں ہے پرواہ
شرم و حیا سے انکو دیکھو تو سوئے زن ہیں

منکر حدیث کے ہیں کہتے ہیں اُسکو تاریخ
حبِّ نبیؐ کی دل میں ان کے نہیں لگن ہیں

مذہب کو اپنے ڈھب پر جب چاہو تم بنالو
کس درجہ فتنہ خیز اور کس درجہ پر فتن ہیں

اب سود بھی ہے جائز مے بھی ہے شیرِ مادر
اُن کی زباں پہ جاری اِس طور کے سخن ہیں

کبتک یہ دین سازی کبتک یہ چالبازی
لاکھوں ہی مٹ گئے ہیں جس دُھن میں یہ مگن ہیں

مذہب کی باگ اُن کے ہاتھوں میں کیوں ملی ہے
ملت کے ہیں یہ دشمن اور دشمنِ وطن ہیں

ہے مسلموں کو لازم تردید ان کی کرنا
الحاد ان کا شیوہ وہ مرتدِ زمن ہیں

ان کی شرارتوں کو سمجھا علیمؔ تم نے
کس درجہ فتنہ گر ہیں کس درجہ پر فتن ہیں

تبصرۂ کتب

فیوضاتِ حسینی
(تحفۂ ابراہیمیہ)

مرتب ۔ حضرت مولانا عبدالحمید صاحب سواتی مدرسہ نصرۃ العلوم ۔ گوجرانوالہ ۔

صفحات ۲۰۴ ۔ قیمت مجلد پانچ روپے

یہ دراصل حضرت علامہ مولانا حسین علی صاحب مرحوم ۔ واں بھچراں ضلع میانوالی کی فارسی کتاب تحفۂ ابراہیمیہ کا اردو ترجمہ اور تشریح ہے ۔ فاضل مترجم نے کتاب کے آغاز میں حضرت مصنف مرحوم کے احوال اور وقائع زندگی اور روحانی و علمی کمالات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے ۔ اور اجمالی طور پر حضرت مصنف کے ممتاز تلامذہ کے حالات اور خصوصیات بھی ذکر کئے ہیں ۔ مصنف تحفۂ ابراہیمیہ توحید کی اشاعت میں خاص مقام رکھتے ہیں ۔ اس کے ساتھ وہ ایک صاحب نسبت و ارشاد بزرگ بھی ہیں ۔ اگر حضرت کے بعض تلامذہ تصوف کے سلاسل اور توسل وغیرہ کے سلسلہ میں اپنے شیخ کی ان معتدلانہ تعلیمات کو نگاہ میں رکھیں تو ان کے متشددانہ انداز میں اعتدال اور افراط و تفریط کی بجائے توسط پیدا ہو سکتا ہے ۔ فاضل مترجم نے ایک اہم شخصیت جو ایک خاص مکتب فکر کی رہنما سمجھی گئی ہے کے احوال اور علمی نوادر کو اس کتاب کے ذریعہ عام کر دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ انہیں اجر عطا فرماوے ۔ کتاب کی طباعت و کتابت بہت عمدہ ہے ۔

لحنِ صریر

از عبدالعزیز خالد ۔ صفحات ۳۱۲ ۔ قیمت تین روپے

ملنے کا پتہ :۔ بک لینڈ ۔ ۱۲ محمد بلڈنگ ۔ بندر روڈ کراچی ۱

عبدالعزیز خالد ملک کے ایک قادر الکلام شاعر ہیں بالخصوص فارسی ، عربی قوافی میں انہیں تغزل کا ید طولیٰ حاصل ہے ۔ پیشِ نظر کتاب بھی خالد صاحب کی غزلیات کا ایک گرانمایہ مجموعہ ہے ۔ اشعار میں جا بجا آیات قرآنی اس طرح سے سموری ہیں کہ گویا وہ شعر کا ایک حصہ ہیں ۔ یہ مصنف کی غایت درجہ ذہانت ، دینی معلومات میں وسعت مطالعہ کا ثبوت اور اس کے ساتھ قرآن کریم کے قول فصل اور آیات مفصّلت ہونے کی دلیل کہ شعر نہ ہونے کے باوجود وہ فصاحت و بلاغت کے ہر معیار پر پورا اترتا ہے اور نثر ہونے کے باوجود عروض و قوافی کے کئی شعری اوزان پر بھی فٹ ہو سکتا ہے ۔ اگرچہ یہ قرآن کریم کے معجزانہ اوصاف میں سے ایک بالکل معمولی سی خوبی ہے ۔ ادب اور شعر سے شوق رکھنے والے حضرات مصنف کی دیگر کتابوں کی طرح اس سے بھی یقیناً محظوظ ہوں گے ۔ البتہ مشکل کلمات اور مسجع مقفیٰ الفاظ کی کثرت سے بعض حضرات کو وحشت بھی ہو سکتی ہے ۔

مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام

احوال و کوائف

دارالعلوم

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو گورنمنٹ کالج نوشہرہ کے منتظمین کی خواہش پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے کالج کی بین الجامعی محفل حسن قرارت کی صدارت فرمائی، اس تقریب میں دیگر معززین کے علاوہ جناب سید یوسف علی شاہ صاحب سینئر ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلی بھی موجود تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے صدارتی تقریر میں فرمایا کہ ایک فردی زندگی ہوتی ہے، اور ایک قومی و ملی زندگی۔ ہر شخص کھاتا پیتا اور کسی مکان میں رہتا ہے۔ یہ فردی زندگی ہے جس میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات بھی شریک ہیں اور سب تناسل و توالد اور بقائے نوع کے لئے ان امور کا ارتکاب کرتے ہیں۔ پھر قومی زندگی بھی دو طرح کی ہے۔ ایک تو آج کل کے یورپ کی زندگی ہے جو سراسر مادی مقاصد پر مبنی ہے۔ برطانیہ، امریکہ، جرمنی وغیرہ ہر ایک اپنے ملک اور اپنی قوم کی دنیاوی ترقی چاہتا ہے۔ اور ہر ایک دوسروں کو محکوم بنانے اور خود آقا بننے کی فکر میں ہے۔ مگر اسلام کی قومی زندگی جس کی تشکیل و تعمیر کے لئے قرآن مجید اتارا گیا ہے۔ مخصوص نظریات پر مشتمل ہے اور وہ دنیا و آخرت دونوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے، قومی زندگی عبارت ہے۔ قوم کے جذبات عقائد اور خصوصیات سے اگر وہ زندہ ہوں تو قوم زندہ ہے۔ اور اگر وہ مخصوص چیزیں باقی نہ رہیں تو اس کو مردہ قوم کہا جائے گا۔ خواہ اس کا نام آدمی اور انسان رکھا جائے۔ مگر انہیں زندہ قوم نہیں کہہ سکتے۔

قرآن کریم نے ہمیں عقیدہ، اخلاق، اعمال، عبادات، سیاست غرض زندگی کے ہر شعبے کے طریقے سکھلا دیئے ــــــ

قرآن کریم کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بعد آپ نے قرارت و تجوید سے منتظمین کالج کے شغف کو سراہتے ہوئے فرمایا: قرآن کریم کا صحیح تلفظ نہایت اہم چیز ہے اگر آج ایک شخص، کسی حاکم اور افسر کا فرمان غلط سلط پڑھ کر سنائے تو سننے والوں کو کوفت ہوتی ہے کہ اسے پڑھنے کا سلیقہ نہیں۔ اور اس حرکت کو حاکم اور بادشاہ کی توہین سمجھا جائے گا۔ اس طرح قرآن کریم جو احکم الحاکمین کا شاہی فرمان ہے، کا غلط پڑھنا کئی توہین آمیز امور کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اگر کسی نے لیطمئن قلبی کے قاف کو کاف سے بدل کر پڑھا تو معنی کتنا بدل جائے گا۔؟ آج مسلمانوں کی اتنی کثرت کے باوجود برکات ناپید ہیں

پہلے تو قرآن کریم ہاتھ میں لیتے نہیں، اگر لیں تو صحیح پڑھ نہیں سکتے۔ اگر پڑھ بھی لیا جائے، تو اصل چیز جو عمل ہے اُسے اپنایا نہیں جاتا ــــــ

علم دین اور دنیاوی علوم کی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا: آج ہم ایک ایسے میدان میں جمع ہیں جو تعلیم گاہ ہے۔ مگر دین کی نگاہ میں تعلیم کی جو اہمیت ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ مگر حقیقی علم وہ ہے جس سے دنیا اور آخرت دونوں کی سعادت مندی نصیب ہو۔ اور جس علم کو محض ذریعۂ معاش اور روٹی حاصل کرنے کے لئے حاصل کیا جائے وہ فن اور حرفت ہے علم نہیں۔ دونوں شعبے دین کی نگاہ میں اہم ہیں، کسی ایک کو اختیار کرکے دوسرے کو یکسر نظر انداز کرنا دانشمندی نہیں ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام علم کی برکت سے مسجود ملائکہ بنے اور خلافت الٰہی اور وراثتِ جنت کے مستحق ہوئے۔ آج حضرت آدمؑ اور دیگر انبیاءؑ کے درجات مقرب فرشتوں سے بھی بلند ہیں ــــ عصری تعلیم کی خرابیوں پر تنبیہ فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا: ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم جسمانی اور فکری دونوں طریقوں سے غلام تھے۔ اگر چاہتے بھی کہ قرآن کریم اور مسلمانوں کی مخصوص چیزیں ہم میں نشو و نما پائیں تو رکاوٹیں تھیں۔ مگر اب جسمانی آزادی ہمیں نصیب ہو چکی، مگر افسوس کہ فکری غلامی اب تک باقی ہے۔ جو جسمانی غلامی سے بدرجہا بدتر ہے اور افسوس کہ تعلیمی اداروں میں اس کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر مجھے پچھلے ماہ چٹاگانگ اور ڈھاکہ میں وہاں کی یونیورسٹیوں کے بارہ میں معلوم ہوا کہ اکثر طلبہ کے سینوں پر ماؤزے تنگ وغیرہ کے بیج لگے ہوئے ہیں۔ یہ اس ذہنی غلامی اور دینی تاریخ سے بے خبری کا ثبوت ہے۔ ہمارے اسلاف سیدنا صدیقؓ سیدنا فاروقؓ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایثار قربانی اور ضبط و نظم کے وہ نمونے پیش کئے کہ دوسرے کروڑوں لیڈر ان کے قدموں تک نہیں پہنچ سکتے۔ حضرت صدیقؓ نے جو معمولی تنخواہ لی مرتے وقت اس کی واپسی کی وصیت کر دی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے کو ذاتی مکان فروخت کرکے قرضہ ادا کرنے کی وصیت کی یہ اُس حکمران کی حالت ہے جس نے اپنے زمانہ میں ۲۲ لاکھ مربع میل علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں دلایا، کپڑوں پر کئی پیوند لگے ہوئے ہیں بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوتے وقت غلام کو اونٹنی پر بٹھا کر خود مہار تھامے داخل ہو رہے ہیں۔ کیا ہمارے اسلاف کے یہ کارنامے بے مثال نہیں اور کیا انہیں اسوہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اس امت کا آخر بھی انہی طور طریقوں سے کامیاب ہوگا جن سے ابتداء میں کامیابی ہوئی ــــ ہم

حقیقی معنوں میں تب زندہ قوم ہوں گے۔ کہ بحیثیت اسلام ہم زندہ ہو جائیں اور جب ہماری قومی زندگی بحیثیت اسلام ہے تو لوگ پوچھیں گے کہ کہاں ہے وہ اسلام جس کا تمہیں دعویٰ ہے۔ اس بارہ میں آپ لوگوں پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ ملک کی قیادت کا بار آئندہ آپ نوجوانوں کے کندھوں پر آئے گا۔ خدا کرے کہ آپ حضرات کو اسلام کا صحیح نمونہ بننا نصیب ہو اور آپ کے ذریعہ پورا ملک قرآن اور اسلام کی نعمتوں سے مالا مال ہو جائے ——

اس محفل قرائت میں مختلف کالج اور سکولوں کے طلبہ نے قرادت کی۔ سکولوں کے طالب علموں میں دارالعلوم حقانیہ کے شعبۂ تعلیم القرآن (مڈل سکول) کے طالب علم ہدایت الرحمان نے پہلا انعام حاصل کیا —— ۔

- اگر قبولیت عنداللہ نصیب ہو تو نجاح و فلاح ہے، ورنہ سب ہیچ ہے۔ ضرورت ہے کہ اپنی قوم کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے ترقی دیں۔ نسبی حیثیت سے غرور اور تکبر بے موقع پیدا ہوتا ہے۔ وہ ترقی سے مانع ہو جاتا ہے۔
- ہمارے لئے حضرت نانوتوی اور حضرت شیخ الہند قدس اسرارہما کے کارنامے مشعلِ راہ ہیں۔
- کاروبار، معیشت کا چھوڑنا بالخصوص جب کہ والدین ماجدین پیرانہ سالی میں ہیں، اور ان کی ضروریاتِ زندگی درپیش ہیں، کسی طرح قرینِ عقل و مروّت نہیں ہے۔ ان کی تابعداری اور خدمت گذاری نہ صرف فریضۂ انسانی ہے، بلکہ عبادت بھی ہے۔ نمازِ تہجد اگر ہو سکے فبہا، ورنہ فرض نہیں۔ سونے سے پہلے چار رکعت پڑھ لینا اسی نیت سے مبارک امر ہے۔ سوتے وقت اواخر سورہ کہف کا پڑھ لینا آنکھوں کے کھل جانے کا ذریعہ ہے۔
- اس ذلیل و خوار عالم دنیا میں اگر مستحق لذت و راحت ارباب خیر و تقویٰ ہوتے تو سب سے زیادہ منعم اور غنی اور راحت میں بسر کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوا کرتے۔ مگر ان ہی کی پاک زندگی دیکھئے وہ سب سے زیادہ تکالیف شاقہ میں نظر آتے ہیں ——

(شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ)